ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ | جلد ۱ | شمارہ ۴ | مئی ۲۰۰۶ء

جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال

سرگودھا



فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال • سرگودھا

۰۴۸-۶۷۸۶۸۹۹/۶۷۸۶۰۰۲

ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ مئی ۲۰۰۶ء فہرست

☆☆☆☆☆☆☆

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فون: 048-6786002/6786899 ☆ E-mail-alhaqqania@yahoo.com

پبلشر: سید عبدالقدوس ترمذی   پرنٹر: محمد منیر فائن پرنٹنگ پریس بلاک 8 سرگودھا   کمپوزر: حافظ سید عبدالغفور ترمذی

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیام امن ریاست کی اہم ذمہ داری

کسی بھی ملک کے باشندگان کی جان ومال اور عزت کا تحفظ اور امن کا قیام یہ ریاست کی اہم ذمہ داری ہے اور یہ انسان کے بنیادی حقوق شمار ہوتے ہیں، بین الاقوامی چارٹ میں بھی اسے ہر انسان اور شہری کے بنیادی حقوق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور بلاشبہ امن کے قیام اور شہریوں کے جان، مال، عزت کے تحفظ میں جو ملک فیل ہوجائے اس کے سربراہ کو سربراہی اور حکومت کا حق نہیں رہتا۔

دین اسلام نے مال، جان، عزت کے تحفظ کو خاص اہمیت دی ہے حتی کہ ایک مسلم کی جان کو بیت اللہ سے بھی زیادہ محترم قرار دیا گیا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے ان حقوق کی اہمیت جن بلند وبالا الفاظ میں واضح فرمائی وہ یہ ہیں الاوانّ دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھر کم ھذا یہی وہ خطبہ ہے جو بنیادی انسانی حقوق کا ضامن اور علمبردار ہے جس پر عمل کرنے سے انسان کی جان ومال وعزت کا بخوبی تحفظ ہوجاتا ہے، مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان جو ایک نظریاتی مملکت ہے اسلام کا نفاذ اور بنیادی حقوق کا تحفظ، امن کا قیام اس خداداد مملکت کا اولیں فریضہ ہے لیکن افسوس کہ نصف صدی کا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود یہاں ''ہنوز روز اول'' والا معاملہ دیکھنے میں آرہا ہے، امن وامان کے حوالہ سے اس وقت جو حالات چل رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، حال ہی میں ملک کے مختلف حصوں میں عموماً اور کراچی جیسے عظیم شہر میں بالخصوص جو حادثات رونما ہوئے وہ حکومت وقت کیلئے کسی چیلنج سے کم نہیں، حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ ملک کا امن وسکون تباہ کرنے والے ملک دشمن عناصر پر کڑی نظر رکھے اور انہیں قرار واقعی سزا دے اور مملکت کو امن کا گہوارہ بنانے میں پوری کوشش کرے، ملک کی تمام تنظیمیں اور جماعتیں بھی اس سلسلہ میں اپنا موثر کردار ادا کریں، چونکہ امن کے بغیر دین ودنیا کا کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا اس لئے اس میں سب ہی کو تعاون کرنا ضروری ہے۔ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرماویں اور اس خداداد مملکت کو اپنے تاسیسی مقصد کے پانے میں کامیاب فرماویں، آمین۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ

مورخہ ۱۴ر ربیع الاول ۱۴۲۷ھ بروز جمعرات فون پر یہ معلوم ہوکر انتہائی افسوس ہوا کہ ہمارے استاذ مکرم ومحترم، مشفق ومہربان جناب حضرت مولانا قاری فتح محمد طاہرؒ رات کے ایک بجے انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چونکہ احقر کو حضرت الاستاذؒ کی علالت کا علم نہ تھا اس لئے وفات کی اس اطلاع سے بے حد حیرت ہوئی لیکن بہر حال خبر صحیح تھی اس لئے بجز یقین وصبر کے چارہ نہ تھا، جنازہ نماز عصر کے بعد جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں طے تھا اس لئے احقر بھی برادرم حافظ عبدالغفور ترمذی کے ہمراہ ظہر کے بعد ہی حضرت الاستاذؒ کے مکان پر پہنچ گیا، حضرت مولانا میاں محمد اجمل قادری نے جنازہ سے قبل مختصر مگر جامع بیان فرما کر جنازہ پڑھایا جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کاملہ فرمائے اور پسماندگان کو اجر وصبر سے نوازے، آمین۔

حضرت مرحوم بڑی اعلیٰ صفات اور محاسن وخوبیوں کے حامل تھے، علم وعمل کی جامعیت کے باوجود ان پر سادگی اور درویشی غالب تھی، ہر ایک سے مسکرا کر ملنا ان کی طبیعت ثانیہ تھی، وہ ہر کسی سے اس طرح بے تکلف ہوجاتے کہ ان کے تلامذہ تک کو بھی یہ احساس نہ رہتا کہ وہ ان کے استاذ ہیں یا مشفق ومہربان دوست۔ انہوں نے جن اساتذہ کرام سے علم حاصل کیا وہ علم وفضل اور اپنے فن میں مہارت کے اعتبار سے اپنے دور کے مایہ ناز حضرات تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم کو اپنے اساتذہ کرام سے بڑا تعلق اور محبت عطا فرمائی تھی اور یہ ان کے اساتذہ کرام ومشائخ عظام ہی کی تربیت کا اثر تھا کہ بڑے بڑے علماء کرام ان کے تلامذہ میں شامل تھے لیکن وہ ہمیشہ ان سے اس طرح پیش آتے کہ دیکھنے والے کو قطعاً علم نہ ہوتا کہ یہ آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت مرحوم نے سرگودھا مدینۃ العلوم میں حضرت قاری جلیل الرحمن صدیقی، حضرت مولانا وفاء اللہ عثمانی اور لاہور میں حضرت قاری شاکر صاحب اور سراج العلوم میں حضرت مفتی احمد سعید اور حضرت قاری عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے علم حاصل کیا، فن تجوید میں آپ کو بڑی مہارت تھی اور اللہ تعالیٰ نے حسن صورت کے ساتھ حسن صوت سے بھی خوب نوازا تھا اس لئے جب آپ تلاوت

فرماتے تو محفل میں ایک سماں بندھ جاتا تھا۔

تحصیل علم کے بعد مختلف مدارس میں پڑھایا اور پھر سیکنڈری بورڈ سرگودھا سے منسلک ہوگئے، اسی دوران ایک مدرسہ ملت آباد سرگودھا میں بھی قائم کیا اور آخر میں ابوالقاسم اکیڈمی کے نام سے دینی اورعصری تعلیم کا ایک ادارہ قائم کیا۔لیکن آپ جہاں اور جس ادارہ میں بھی رہے آخر دم تک قرآن کریم کی خدمت کرتے رہے،قرآن کریم کے ساتھ آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا،آپ خود تو عمدہ پڑھتے ہی تھے لیکن اس کے ساتھ دوسروں کے صحیح پڑھنے کیلئے انتہائی محنت فرماتے،ہزاروں طلبہ وطالبات نے آپ سے قرآن کریم پڑھا اور اس کی مشق کی۔

آپ اپنے بزرگوں کی سرپرستی میں انجمن اتحادالقراء کے ناظم اعلیٰ کے طور پر بھی ایک عرصہ تک سرگرم عمل رہے اور اس کے تحت بارہا محفل حسن قراءت کے پروگرام منعقد کرائے جس سے عام مسلمانوں میں اچھا پڑھنے کا ذوق پیدا ہوا اور جگہ جگہ تجوید کے ساتھ قرآن کریم کی تدریس کا اہتمام ہونے لگا،سرگودھا کی سرزمین پر مدرسہ رحمانیہ میں تجوید وقراءت کا باقاعدہ شعبہ آپ ہی کی تحریک پر قائم ہوا جو اب تک نہ صرف قائم بلکہ بحمداللہ روبترقی ہے۔

حضرت الاستاذؒ احقر کے ساتھ بے حد شفقت فرماتے تھے،۱۹۶۷ء میں جب وہ جامعہ حقانیہ میں مدرس تھے تو احقر نے ان سے نورانی قاعدہ پڑھا تھا اس طرح وہ باقاعدہ احقر کے استاذ تھے،احقر کے بڑے بھائی حافظ عبدالغفور صاحب ترمذی نے کئی پارے ان سے پڑھے پھر بعد میں جب وہ سیکنڈری بورڈ چلے گئے اور ملت آباد گلی نمبر۲ سرگودھا میں انہوں نے مدرسہ بنایا تو بھائی صاحب کو بطور مدرس رکھا،اس طرح کچھ عرصہ ان کی زیرنگرانی انہیں پڑھانے کا موقع ملا،اس زمانہ میں جو طلبہ زیرتعلیم تھے ان میں مولانا طاہر مسعود صاحب اور مولانا محمد طیب صاحب بھی شامل تھے۔حضرت والد صاحبؒ سے چونکہ خاص تعلق تھا اس لئے امتحان کیلئے بھی ان کو بلایا، بھائی عبدالغفور صاحب سیکنڈری بورڈ میں بھی کئی مرتبہ تراویح میں قرآن کریم سنانے کیلئے ان کے حکم پر حاضر ہوئے اور کئی سال تک ملت آباد میں بھی مدرس رہے۔

احقر کے ساتھ ہمیشہ ان کی شفقتیں وعنایتیں جاری رہیں حالانکہ وہ میرے محترم استاذ تھے لیکن انہوں نے مجھے کبھی بھی شاگرد نہیں سمجھا،میری کوتاہی تھی کہ رابطہ میں تاخیر ہوتی تو ازخود رابطہ فرماتے ،احقر سوچتا ہی رہ جاتا اور ہمیشہ اس پر شرمندگی اور ندامت ہوتی ،حضرت والد صاحبؒ کے

زمانہ میں تو ہر تقریب میں ساہیوال تشریف لاتے ہی تھے ان کے بعد بھی انہوں نے برابر تعلق رکھا اور برابر تشریف لاتے رہے، احقر کو بھی وقتاً فوقتاً دعوت دیتے اور اپنے پروگراموں میں شریک فرماتے۔ ابوالقاسم اکیڈمی بنائی تو بڑے اصرار کے ساتھ احقر کو اس کا سرپرست نامزد فرمایا، اسی طرح اتحاد القراء کی سرپرستی بھی حضرت والد صاحبؒ کے بعد احقر کے سپرد فرمائی، وہ اکثر فرماتے کہ میں تمہیں حضرت کی جگہ سمجھتا ہوں، بلاشبہ حضرت الاستاذؒ میں یہ خاص وصف تھا کہ وہ اپنے بڑوں کے بے حد وفادار تھے، بیعت واصلاح کا تعلق حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے قائم فرمایا اور آخر تک اسی خاندان سے منسلک رہے۔ وہ اپنے بڑوں کے سچے محب اور وفادار تھے، احقر نے حیات ترمذی لکھی تو اسے دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور احقر کو بہت دعائیں دیں اور اپنی پسندیدگی اور خوشی کا اظہار فرمایا، میں نے عرض کیا کہ آپ بھی حضرت پر کوئی مضمون لکھ دیں تو وہ حسب عادت طرح دے گئے، لیکن گذشتہ سال ۱۴ ر رجب المرجب جمعہ کے روز ڈاک سے اچانک ان کا مضمون ملا تو احقر حیران رہ گیا، آپ کا یہ گرانقدر مضمون الحقانیہ کے اسی شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے، اس سے اکابر کے ساتھ آپ کے تعلق کا کسی قدر اندازہ ہوگا۔ اس کے ساتھ انہوں نے احقر کو جو مکتوب تحریر فرمایا چونکہ یہ احقر کے نام ان کی آخری اور یادگار تحریر ہے پھر اس سے ان کی خوردنوازی کے ساتھ حقوق العباد کی اہمیت اور فکر آخرت بھی واضح ہو رہی ہے اس لئے ذیل میں وہ بھی ہدیۂ قارئین ہے۔

مکتوب گرامی بنام احقر

میرے محسن حضرت مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ چند ہفتوں سے مختلف عوارضات کا شکار چلا آ رہا ہوں بلکہ ایک روز تو ایسا بھی آیا کہ میں نے اہلیہ کو بلا کر کہا کہ بھلی لوکے! تیرا میرا تقریباً اکتالیس سال کا ساتھ رہا ہے اس میں یقیناً تیری حق تلفیاں ہوئی ہوں گی مجھے معاف کر دینا، پھر اللہ نے کچھ صحت بحال کر دی۔ آج پھر دوپہر کے بعد کچھ طبیعت نڈھال سی تھی اور عصر کے بعد زیادہ ہی ہوگئی، مجھے آپ کی اور حضرت کی یاد آئی تو یہ تذکرہ لے بیٹھا اور قلم برداشتہ پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ ضبط تحریر میں آ گئے ہیں اور اس دوران طبیعت بھی کچھ بحال ہی رہی جس سے یقین سا ہو چلا ہے کہ ان مقدس ہستیوں کے تذکرہ کے سبب رب کریم رحم وکرم

فرمادیں گے اللّٰھمّ امین۔ یہ تحریر قابل اشاعت نہ ہے بس دل کی آواز ہے جو آپ تک پہنچانی مقصود ہے، تحریر پر نظر ثانی کی بھی ہمت نہ ہے، خدا معلوم یہ لکھی کیسے گئی ہے۔

بندہ ناچیز فتح محمد طاہر

حضرت الاستاذ قدس سرہ کو حرمین شریفین حاضری کا بے حد شوق تھا اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ ان کی یہ تمنا پوری ہوئی اور اہلیہ محترمہ کے ساتھ وہ وہاں کی حاضری سے مشرف ہوئے، کچھ عرصہ قبل مختلف امراض کی شکایت انہیں ہونے لگی تھی لیکن وہ اپنی طبعی شگفتہ مزاجی کی وجہ سے نہ تو خود گھبراتے تھے نہ دوسروں کو اس کا احساس ہونے دیتے تھے، آخر میں جب عارضہ کی بنا پر ایک آنکھ کو عارضی طور پر بند کرنا پڑا اور انہیں ایک ہی آنکھ سے دیکھنے کیلئے کہا گیا تو تعلق والوں کو اس سے تشویش اور خاصی پریشانی ہوئی مگر وہ فرماتے کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے اب تو میں سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتا ہوں۔

بحمداللہ تعالیٰ وہ آخر تک چلتے پھرتے رہے اور صحت بھی ماشاءاللہ بہتر تھی وفات سے چند روز قبل وہ مسجد سے عشاء کی نماز پڑھ کر گھر واپس آئے تو موٹر سائیکل سے ایکسیڈنٹ ہوگیا اور اس سے ہڈی ٹوٹ گئی پہلے سرگودھا ہسپتال داخل رہے اور پھر لاہور لے جایا گیا، وہاں جاکر طبیعت سنبھل گئی تھی کافی افاقہ محسوس ہو رہا تھا ڈاکٹر حضرات نے آپریشن تجویز کیا، ابھی آپریشن کی نوبت نہیں آئی تھی کہ دو مرتبہ دل کا دورہ پڑا وقت آچکا تھا چنانچہ تیسری مرتبہ دورہ پڑنے سے رات کے ایک بجے انتقال ہوا، انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون، انّ للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کلّ شیءٍ عندہ باجلٍ مّسمّی۔

حضرت الاستاذ قدس سرہ کے بے شمار تلامذہ ان کیلئے صدقہ جاریہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں صالح اولاد سے بھی نوازا بحمداللہ سب ہی نیک اور صالح ہیں بطور خاص ان کے بڑے بیٹے برادرم قاری عطاء الرحمٰن صاحب اور مولوی منصور قاسم سلّمہما اللہ تعالیٰ دونوں صاحبزادگان سے سب متعلقین کو توقع ہے کہ وہ ان کے مشن کو ضرور آگے بڑھائیں گے۔ واللّٰہ الموفق والمعین۔

۲۰/ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

تسمیہ میں علوم قرآنی کے خلاصہ ہونے کی تشریح

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تسمیہ میں علوم قرآنی کے جمع ہونے کی مختصر تشریح پیش کردی جائے جس کے ضمن میں اس نکتہ کی وضاحت بھی ہو جائے گی کہ با کے نقطہ میں قرآنی علوم کس طرح جمع ہیں۔

مذکورہ بالا حقیقت کے ادراک سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآنی علوم کا خلاصہ تین چیزیں ہیں (۱) علم کائنات (۲) علم فوائد دنیویہ (۳) علم فوائد اخرویہ، چنانچہ تمام قرآن کریم کو الحمد سے والناس تک پڑھ لیا جائے تو انہیں تینوں علوم کا بیان ملے گا، علم کائنات کی دو قسمیں ہیں ایک انفسی اور ایک آفاقی، انفسی سے مراد وہ کائنات ہے جس میں انسان کی اندرونی حالت بیان ہو جس کو کائنات نفسی کہتے ہیں مثلاً قرآن پاک کی آیت ذیل میں اسی کا ذکر ہے قتل الانسان ما اکفرہo من ای شیء خلقہ oمن نطفۃ خلقہ فقدرہ oثم السبیل یسرہ oالآیۃ (سورت عبس پارہ ۳۰) اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے جو اندرونی حالت کا بیان ہے تو اس لحاظ سے یہ آیت کائنات نفسی سے متعلق ہے، آفاقی کائنات سے مراد وہ ہے جو آفاق میں پھیلی ہوئی ہو، پس وہ آیات جن میں آفاقی کائنات کا ذکر ہو مثلاً زمین وآسمان اور پہاڑوں یا حیوانات کا تو وہ آیات علم کائنات پر مشتمل ہوں گی۔

اسی طرح قرآن کریم کی بعض آیات وہ ہیں جن میں فوائد دنیویہ یعنی دنیا کے فائدوں کا ذکر ہے جیسے ارشاد ربانی ہے خلق لکم مافی الارض جمیعا ایک جگہ ارشاد ہے سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض ان آیات میں فوائد دنیویہ کا ذکر ہے۔ایک حصہ ان آیات پر مشتمل ہے جس میں فوائد اخروی یعنی آخرت کے فائدوں کا تذکرہ ہے، اس قسم کی آیات علوم اخرویہ سے متعلق ہیں حلال وحرام، ثواب عذاب، جنت دوزخ کا ذکر جن آیات میں فرمایا گیا ہے وہ اسی قسم سے متعلق ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پورے قرآن کریم میں بنیادی طور پر جو علوم مذکور ہیں ان کی تین ہی قسمیں ہوئیں، علم کائنات، علم فوائد دنیویہ، علم فوائد اخرویہ، جس کی مختصر تشریح سطور بالا میں کردی گئی ہے، یہ تمام علوم اور مضامین بسم اللہ میں موجود ہیں، تسمیہ میں لفظ اللہ جل جلالہ علوم کائنات پر مشتمل ہے چاہے

کائنات انفسی ہو یا آفاقی ، یہ اسم جلالی ہے اور کائنات کا سارا نظام اسی سے وابستہ ہے، کائناتی علوم سب کے سب اس میں موجود ہیں،فوائد دنیویہ سے متعلقہ علوم اسم رحمٰن میں جمع ہیں اور فوائد اخرویہ کا تعلق صفت رحمت سے ہے تو وہ الرحیم میں آگئے ،یوں یہ تسمیہ تمام علوم کی جامع ہے ۔

تمام علوم کا ’’با‘‘ میں جمع ہونا

تمام قرآنی علوم کا خلاصہ خالق اور مخلوق کا تعلق اور مخلوق کا آپس میں ایک دوسرے سے تعلق اور حقوق کا ادا کرنا ہے،اس کی جامع تعبیر حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہوسکتی ہے،قرآنی علوم کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے جڑا رہے،ان کے ساتھ اس کا ربط رہے،اسی ارتباط بین الشیئین کو الصاق کہتے ہیں جو حرف با کا اصلی معنی ہے،با کے اگر چہ بہت سے معانی ذکر کئے گئے ہیں لیکن اس کا اصلی معنی الصاق ہی ہے چنانچہ امام نحو علامہ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس کا صرف یہی معنی لکھا ہے،اس لحاظ سے با تمام علوم قرآنی کی جامع ہوئی کیونکہ علوم قرآنی کا خلاصہ بھی ارتباط اور الصاق ہے جس پر حرف با مشتمل ہے،لہٰذا یہ کہنا بجا طور پر درست ہے کہ ’’با‘‘ میں تمام علوم قرآنی جمع ہیں ۔

تمام علوم قرآنی ’’با‘‘ کے نقطے میں جمع ہیں

ہم پہلے تفصیلاً لکھ چکے ہیں کہ جملہ قرآنی علوم سورۃ الفاتحہ میں جمع ہیں اور سورت فاتحہ کے علوم تسمیہ یعنی بسم اللہ میں اور بسم اللہ کے علوم حرف با میں جمع ہیں،اب یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ تمام قرآنی علوم با کے نقطہ میں جمع ہیں،اگر چہ یہ بات نہایت عجیب اور حیران کن ہے لیکن ذیل کی تشریح کی روشنی میں اس کا سمجھنا بہت آسان ہے ۔

یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ نقطہ صفر کا نام ہے اور صفر کا معنی ہے کچھ نہیں،صفر عدم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں کو امتحان میں صفر ملا،اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسے کامیابی کا کوئی نمبر نہیں ملا ہے بلکہ اس صفر سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اسے امتحان میں ایک نمبر بھی نہیں ملا اور وہ فیل ہوگیا ہے،لہٰذا صفر عدم یعنی کچھ نہیں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اسی کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اپنے آپ کو صفر اور فنا سمجھنا،اور قرآن کریم کے تمام علوم کا خلاصہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو صفر سمجھو اور فنا سمجھو،اور یہی سبق با کے نقطے سے ہمیں ملتا ہے تو اس لحاظ سے قرآن کریم کے تمام علوم با کے نقطہ میں جمع ہیں ۔اس بیان سے تسمیہ کی جامعیت اور علوم اولین وآخرین کیلئے اس کا حاوی ہونا اظہر من الشمس ہے ۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسیؒ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

اپنے گھر والوں کو جائے خلوت سے مطلع کردینا چاہئے

(۸) حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ انسان جب عبادت کیلئے باہر جائے تو اپنے گھر والوں کو اور متعلقین کو اس جگہ کی اطلاع کردے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غار (حراء) کی طرف جاتے تو آپ کے گھر والوں کو جگہ کی بھی خبر ہوتی تھی اور اس بات کی بھی کہ آپ کس لئے وہاں جارہے ہیں اور اس میں چند حکمتیں ہیں (ایک) یہ کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو کسی بیماری یا حادثہ وغیرہ کا پیش آجانا ہر وقت ممکن ہے تو اگر گھر والوں کو اس کی جگہ معلوم ہوگی تو ایسے عوارض پیش آنے کے وقت ان کو اس کے پاس جانے میں سہولت ہوگی (دوم) یہ کہ گھر والوں کو اپنی جگہ (اور اپنا ارادہ) بتلانے سے ان کو خوشی پہنچے گی اور پریشانی دور ہوگی ورنہ وہ مختلف مقامات کی طرف خیال دوڑائیں گے جہاں اس کا جانا ممکن (ومحتمل) ہے تو ان کو خبر کردینے میں اس پریشانی کا ازالہ ہوجائے گا اور خوشی اس واسطے ہوگی کہ ان کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ عبادت کیلئے سب سے الگ رہنا چاہتے اور عبادت میں مشغول ہونا چاہتے ہیں (کسی دشمن وغیرہ کے خوف سے جنگلوں میں نہیں چھپتے) اور مسلمان کو (خصوصاً گھر والوں کو) خوش کرنے میں جس قدر ثواب واجر ہے معلوم ہے (سوم) یہ کہ اس میں اپنے گھر والوں اور دوستوں کو بھی خلوت وعبادت کی دعوت (اور ترغیب) ہے اگرچہ (صراحت کے ساتھ) ان سے کچھ نہ کہا جائے کیونکہ جو کام بار بار کسی کے سامنے کیا جاتا ہے تو عام عادت یہ ہے کہ اس کے دل کو بھی حرکت ہوتی (اور اس کا شوق اور رغبت پیدا ہوتی) ہے (چہارم) یہ کہ جب لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ عبادت کے واسطے گوشہ نشین ہے اور اسی میں لگا ہوا ہے تو جو کوئی اس سے تعلق رکھنا چاہے گا وہ اسی قاعدہ کے موافق تعلق رکھے گا اور اس کے کام میں خلل انداز نہ ہوگا اور جو کوئی اس طریقہ پر نہ رہنا چاہے گا وہ اس سے تعلق ہی نہ رکھے گا تو یہ اس سے بچا رہے گا اور اس کے اختلاط (اور صحبت) سے جو

تشویش لاحق ہوتی وہ بھی نہ ہوگی (الوجه السادس عشرفيه دليل على ان المرأ اذا خرج لتعبده ان يعلم اهله الى قوله وزال عنه ما يلحقه من التشويش في مخالطته)

ف: یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جوذکروشغل میں مشغول ہوکراپنے گھروالوں کوپریشان کرتے ہیں اوران کی راحت کا سامان نہیں کرتے، ان کوسمجھ لیناچاہئے کہ ایسا تصوف جوگیوں کاتصوف ہےشریعت اسلامیہ اورسنت محمدیہ کے ہرگزموافق نہیں ۔

اسباب معاش میں تھوڑی سی مشغولی قاطع عبادت نہیں

(۹)حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ ضروریات (بشریہ) میں تھوڑی سی مشغولی عبادت کیلئے قاطع (اورمضر) نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت روز تک مسلسل عبادت کرنے کیلئے باہر تشریف لے جاتے اورواپسی کے متعلق یہ نہیں بیان کیا(کہ بہت دنوں کیلئے واپس ہوتے تھے۱۲) جس سے معلوم ہوا کہ واپسی تھوڑی مدت کیلئے ہوتی تھی اورقلیل کثیر کے تابع ہوتا ہے، پھرآپ کا عبادت کیلئے دوبارہ لوٹ جانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس ضرورت میں مشغول رہتے ہوئے بھی جس کی وجہ سے گھرتشریف لاتے تھے آپ کا دل عبادت ہی میں اٹکا رہتا تھا تو آپ ہمیشہ عبادت ہی میں رہتے تھے جیسے معتکف حاجت بشریہ کیلئے نکلتا ہے اورکھانا خریدنے جاتا ہے مگر اعتکاف کی حرمت (وعزت) اس کے ساتھ قائم رہتی ہے اوریہی کہا جاتا ہے کہ وہ (مسجد سے باہر جانے کے وقت بھی) معتکف اور(اللہ کی طرف)متوجہ ہے اگرچہ اس وقت وہ دوسرے کاموں میں مشغول ہے جن کا ابھی ذکر ہوا۔

ہمارے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ سات آدمیوں کواللہ تعالیٰ (قیامت کے دن)عرش کے سایہ میں پناہ دیں گے جبکہ سایۂ عرش کے سوااورکسی جگہ سایہ نہ ہو گا،منجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے،تو (دیکھو)اس شخص کو(ضرورت کے وقت) مسجد سے باہر جانا مضر نہیں ہوا کیونکہ دل اسی سے اٹکا ہوا تھا اوراس کوکتنی بڑی خیر (اورکیسا درجہ اورکیسی عزت) دی گئی ،اسی وجہ سے اہل تصوف ہرحال میں اپنے دلوں کوحضور(دائم)اورادب کے ساتھ آباد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ کسی مباح کام میں مشغول ہوں یا خلوت میں (بیٹھے)ہوں،پھرچونکہ ان کا باطن صاف ہوگیا ہےتو ان کا نام بھی صوفی (یا صوفی)ہوگیا جو کہ صفاء سے مشتق ہے(الوجه السابع عشرفيه دليل على ان الشغل اليسير الضروري لايكون قاطعا للعبادة الى قوله وهومشتق من الصفاء)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامتؒ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

☆دوا حاضر کی گئی تو ایک صاحب نے پوچھا دوا کڑوی تو نہیں، فرمایا کہ کڑوی ہی ہو تو کیا ہے مرض سے زیادہ کڑوی تو نہیں ہے، شیخ نے فرمایا ہے کہ "داروئے تلخ است دفع مرض"۔

☆فرمایا ایک جماعت دوستوں کی ایسی بھی ہے کہ ان کو تربیت کے متعلق اجازت نہیں صرف دریافت خیریت اور طلب دعا کیلئے لکھنے کی اجازت ہے اور بس، یہ وہ ہیں جنہوں نے ستایا بہت ہے اور تعلق بھی رکھنا چاہتے ہیں تو میں نے ان کیلئے یہ طریقہ تجویز کیا جس میں ستائیں بھی نہیں اور تعلق بھی رہے۔

☆ایک صاحب نے خط میں لکھا کہ فلاں فلاں کتابیں بھیج دیجئے اور یہ کہ میں نے پہلے ایک جوابی کارڈ لکھا تھا مگر جواب سے محروم ہوں، جواب تحریر فرمایا کہ اگر لفافہ ہوتا تو دونوں باتوں کا جواب لکھتا اور فرمایا مجھے اس کی اطلاع کرنے سے یہ نہ سمجھا کہ کیا لازم آیا، کیا میں نے ان کا کارڈ رکھ لیا، کیا میرے ذمہ یہ بھی ہے کہ خط ان تک پہنچاؤں، میرے ذمہ تو یہ ہے کہ لکھ کر روانہ کردوں پہنچے نہ پہنچے، اور کتابوں کی فرمائش تو بالکل بے جوڑ ہے کیا میں تجارت کرتا ہوں۔

☆ایک صاحب نے ایک خاص نکاح ہوجانے کی تمنا ظاہر کر کے لکھا ہے کہ اگر وہاں نکاح نہ ہوا تو شاید میری جان جاتی رہے، جواب ارقام فرمایا یہ عامل کا کام ہے اور میں نہ عامل ہوں نہ مجھ کو کسی عامل کامل کا پتہ معلوم، پھر فرمایا میں پہلے ایسے خطوں میں بعض عاملوں کا پتہ لکھ دیا کرتا تھا مگر معلوم ہوا کہ وہاں کمائی ہونے لگی ہے، یہاں تک کہ ایک صاحب نے ایک تعویذ دیا اور پھر کہا کہ ایک سوا ایک روپیہ نذرانہ دیجئے، میں کہتا ہوں اگر پہلے کہہ دیتے تو اچھا تھا، اب بے چارے کو مجبوراً دینا پڑا۔

☆فرمایا بعض لوگ چکی پر اناج لے جا کر آٹے سے بدل لیتے ہیں سو یہ جائز نہیں ہے، اس کے جائز ہوجانے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اناج ایک روپیہ میں چکی والے کے ہاتھ فروخت کردو اور اس سے ایک روپیہ کا آٹا خرید لو، اس میں روپیہ لینے دینے کی بھی ضرورت نہیں، صرف لفظوں ہی میں معاملہ ہوجائے گا اور جائز ہوجائے گا۔

☆فرمایا ایک عالم نے سہارنپور میں سچے کام کی ٹوپی پانچ روپیہ میں خریدی اور کہا کہ میں لے جاتا ہوں روپے بھیج دوں گا، دوکاندار نے عرض کیا کہ مولانا یہ نسیئہ کیسے جائز ہوا؟ بولے ہاں بھئی یہ تو جائز نہیں، مجھے خیال نہیں ہوا تم ٹوپی رکھ لو میں روپے لا کر لے جاؤں گا، اس نے کہا کہ کیا اس وقت لے جانے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی؟ پھر خود صورت بتلائی کہ آپ اس وقت مجھ سے پانچ روپیہ قرض لے لیجئے اور پھر اس روپیہ سے ٹوپی خرید لیجئے اور قرض کا روپیہ پھر ادا کر دیجئے، دیکھئے ایک عامی آدمی نے مولانا کو عدم جواز کا مسئلہ بتایا پھر اس کے جواز کی شکل بتائی، اگر مسائل پر عمل کرنا شروع کر دیں تو علم اور عمل سب میں آسانی ہو جائے۔

☆فرمایا ہمارے ہاں یہ رسم تھی کہ پھول آنے پر ہی باغ کی بہار فروخت کر دیتے تھے اور یہ ناجائز ہے اور اس رسم کا بدلنا مشکل تھا، میں نے ایک بہت آسان ترکیب بتائی کہ اب تو تم جو کر رہے ہو اس کو کیوں چھوڑو گے مگر پھل آ جانے پر پھر اس معاملہ کی تجدید کر لیا کرو کہ اب اتنے داموں میں بیع کرتا ہوں، مگر لوگوں سے یہ بھی نہیں ہوتا، خیر خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اب ہمارے ہاں ایسا بہت کم ہوتا ہے، پھل آنے پر فروخت کرتے ہیں۔

☆مولانا محمد یعقوب صاحب سے میں نے سنا ہے فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے کہیں وصایا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کتاب دیکھنا ہو تو اول اس کا نام دیکھو کہ مناسب ہے یا نہیں اگر نام مناسب نہ ہو تو وقت ضائع نہ کرو اور پھر لکھا ہے کہ خطبہ دیکھو اور یہ یہ دیکھو، بعض لوگ تو بالکل ہی مہمل نام رکھ دیتے ہیں، ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی اس میں کلمات کفریہ جمع کئے ہیں اور نام رکھا ہے "توپ گالی الٰہی" یعنی خدا تعالیٰ کو برا کہنے اور کفر بکنے کی وعید۔

☆فرمایا حضرت حافظ صاحب کے پاس ایک شخص کا لڑکا آیا کرتا تھا، ایک روز وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرا لڑکا جب سے یہاں آنے لگا بگڑ گیا، فرمایا ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے، ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے، ہم بھی اپنے ماں باپ کے اکلوتے تھے۔

☆فرمایا خشک علماء کے قصوں سے قلب میں انشراح نہیں ہوتا اور اہل طریق حضرات کے ذکر میں ایک سکر کی کیفیت ہو جاتی ہے، آخر اہل محبت ہیں اور خیر یہ تو واقعات کمال کے ہیں ان کے معمولی تذکرے میں بھی خدا جانے کیا اثر ہے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ

الانسداد لفتنۃ الارتداد

گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا (قسط ۳)

بارگاہِ رسالت میں تنقیص وتوہین اور گستاخی کا شرعی حکم

جو شخص حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی بھی نبی علیہ السلام کی شان میں ادنیٰ سے ادنیٰ گستاخی کرے وہ بھی بالاجماع کافر اور مرتد ہے۔

(۱) علامہ ابن حزم القرطبی الظاہری اپنی کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:

صحّ بالنّصّ انّ کلّ من استھزأ باللّٰہ او بملك مّن الملائکۃ وبنبیّ من الانبیاء علیھم السلام اوباٰیۃ مّن القراٰن اوفریضۃ مّن فرائض الدّین فھی کلّھا اٰیات اللّٰہ تعالٰی بعد بلوغ الحجۃ الیہ فھو کافر (از احسن البیان)

(قرآن کریم کی) تصریح سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا کسی فرشتہ یا نبی یا کسی آیت یا کسی فرض کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرے وہ قطعاً کافر ہے۔

(۲) علامہ قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں اجمع العلماء علٰی انّ شاتم النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم والمتنقّص لہ کافر مرتد لسبّہ والوعید الّذی مرّ علیہ جار علیہ لشمولہ لہ بعذاب اللّٰہ لہ لقولہ تعالٰی لھم عذاب الیم فی الاٰیۃ وحکمہ عند الامّۃ ای امّۃ الاجابۃ القتل ومن شكّ فی کفرہ وعذابہ کفر لان الرضٰی بالکفر کفر ولتکذیبہ القراٰن فی قولہ تعالٰی والّذین یؤذون رسول اللّٰہ لھم عذاب الیم (نسیم الریاض ص ۳۷۳ ج ۴) علماء نے اتفاق کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی بکنے والا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کرنے والا مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور وہ وعید اس پر جاری ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب کی کی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے کہ ان توہین انبیاء کرنے والوں کیلئے عذاب دردناک ہے اور ایسے توہین کرنے والے کا انجام امت کے نزدیک قتل ہے، جو شخص بھی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس لئے کہ کفر پر راضی رہنا بھی کفر ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قول

کی تکذیب کی والذین یؤذون رسول اللّٰہ لھم عذاب الیم (جولوگ رسول اللہ کوایذاء دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے)

(۳) یہودی لوگ ازراہِ تمسخر ذومعنی الفاظ سے آپ کوخطاب کیا کرتے تھے بعض مسلمان بھی ازراہِ ناواقفیت لفظ راعنا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوخطاب کرنے لگے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی یایھا الذین امنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم (پ۱ رکوع ۱۳) اے ایمان والولفظ راعنا نہ کہا کرو (جس کے معنی کہ ہماری رعایت فرماویں، لیکن اس میں دوسرے غلط معنی کا استعمال بھی ہے، اس کے بجائے) انظر (ہماری طرف نظر کرم فرمایئے) کہا کرو اور توجہ سے سنا کرو اور کافروں کیلئے عذاب دردناک ہے۔

اس آیت مبارکہ میں نبی کریم کی اشارہ کنایہ سے توہین کرنے والوں کوبھی کافر بتاتے ہوئے دردناک عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

(۴) انّ الّذین یؤذون اللّٰہ ورسولہ لعنھم اللّٰہ فی الدنیاوالاخرۃ واعدّ لھم عذابا مّھینا (پ۲۲ رکوع ۴) بے شک جولوگ اللہ اوراس کے رسول کوایذاء دیتے ہیں لعنت ہے ان پر اللہ کی دنیا اور آخرت میں اوران کیلئے ذلت والا عذاب تیار کیا ہوا ہے۔

(۵) ومنھم الّذین یؤذون النّبیّ ویقولون ھو اذن (پ۱۰ رکوع ۱۴) اوران میں سے بعض لوگ ایذاء دیتے ہیں نبی کواور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں۔

(۶) والّذین یؤذون رسول اللّٰہ لھم عذاب الیم (پ۱۰ رکوع ۱۴) جولوگ رسول اللہ کوایذاء دیتے ہیں ان کیلئے عذاب دردناک ہے۔

ان آیات کریمات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کوچاہے وہ تعریض کے طور پر اشارہ کنایہ سے ہی کیوں نہ ہو کفر قرار دیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوایذاء پہنچانا خواہ کسی طریقہ سے ہو دنیا اور آخرت میں سبب لعنت اور دردناک ذلت والے عذاب کا موجب قرار دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ولم یجیئ اعداد العذاب المھین فی القران الافی حق الکفّار (الصارم ص۵۲) مطلب یہ ہے کہ عذاب مُہین، ذلت والا عذاب کی تیاری کا ذکر قرآن کریم میں صرف کفار کے حق میں آیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ و رسول کوایذاء دینے سے آدمی کافر اور

مرتد ہوجاتا ہے کیونکہ اس موذی کیلئے قرآن کی آیت کریمہ میں عذاب مہین کی تیاری کا ذکر آیا ہے اور یہ عذاب کافروں کیلئے ہی تیار کر رکھا ہے۔

(۷) قل ابالله وایاته ورسوله کنتم تستهزءون o لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم (پ۱۰رکوع۱۴) کیا اللہ (تعالیٰ) سے اور اس کے حکموں سے تم ٹھٹھے کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد۔

مطلب واضح ہے کہ خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور احکام الٰہیہ کو ہلکا اور خفیف سمجھنا اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر ہی ہو دل سے نہ بھی ہو تو بھی کفر ہے اور ایمان کے بعد کفر ہی کو ارتداد کہتے ہیں، تو مسلمان اگر استہزاء اور دل لگی کا مرتکب ہوگا تو وہ مرتد ہو جائے گا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی الصارم میں اس آیت کو اس پر نص قرار دیا ہے کہ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے اور اس آیت میں اس پر بھی دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کرنا ہنسی میں بھی کفر ہے (ص۳۱)

(۸) ومنهم مَن يلمزك في الصدقات (پ۱۰رکوع۱۳) اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں، لمز کے معنی عیب اور طعن کے ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں وذلك يدلّ على انّ كلّ من لمزه او اذاه كان منهم (الصارم ص۳۳) یہ اس پر دلالت ہے کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیتا اور اذیت پہنچاتا ہے وہ منافقین میں سے ہے۔

(۹) ماكان لكم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا ط انّ ذلكم كان عند الله عظيما (پ۲۲رکوع۴) اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی، البتہ یہ تمہاری بات اللہ کے یہاں بڑا گناہ ہے۔

مطلب واضح ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات یا بعد وفات کوئی ایسی بات کہے یا کرے جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب بن جائے، لازم ہے کہ مسلمان اپنے محبوب ومقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا وآخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے (حاشیہ شیخ الاسلام ص۵۵۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی پاکیزگی اور ان کے طاہر ہونے کی شہادت خود

خدا تعالیٰ دے رہے ہیں، ایسی پاکیزہ اور مطہر ازواج کریمات کے متعلق برائی کا تصور بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلانا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (پ۲۲ رکوع ۱) اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے آلودگی دور رکھے اور تم کو پاک صاف رکھے۔

اور یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو پاک کرنا چاہے اور وہ پاک نہ ہوں، یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلوب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو اکمل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں، چنانچہ لفظ یرید سے اہل بیت کی پاکیزگی اور تطہیر باطنی مراد ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہاں اہل بیت میں ازواج مطہراتؓ یقیناً داخل ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے اور بعد میں پورے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی سے ہو رہے ہیں، بیوتکن تمہارے گھر کی نسبت بھی پہلے وقرن فی بیوتکنّ میں اور آگے واذکرن ما یتلی فی بیوتکنّ میں ان کی طرف کی گئی ہے (از حاشیہ شیخ الاسلام)

ازواج مطہرات اور پاک دامنی پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد ان کی طرف کسی فاحشہ کے ارتکاب کی نسبت کرنا سخت ترین جرم ہونے کے علاوہ ایذاء رسول کی بدترین قسم بھی ہے، قرآن کریم نے اس پر سخت ترین سزا کا اعلان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لولا جاءوا علیہ باربعۃ شھداء فاذ لم یأتوا بالشھداء فاولئک عند اللّٰہ ھم الکذبون (پ۱۸ رکوع ۸) یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے ہو جس حالت میں یہ لوگ گواہ نہیں لاتے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

صاف لفظوں میں خدائی فیصلہ اس آیت کریمہ میں سنا دیا گیا اور ہمیشہ کیلئے قانون بنا دیا گیا جو شخص تہمت لگا کر چار گواہ چشم دید پیش نہ کرسکے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جھوٹے ہیں اور خدا کے قانون میں ان کی سزا اسی کوڑے ہیں، فرماتے ہیں والذین یرمون المحصنٰت ثمّ لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفسقون اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاک دامنوں کو پھر نہ لائے چار مرد شاہد تو مارو ان کو اسی کوڑے اور نہ مانو ان کی گواہی وہی لوگ ہیں نافرمان۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف منافقین نے جو طوفان بہتان کا برپا کیا تھا حضرت عائشہؓ

کی براءت وطہارت اور نزاہت کے بیان کے سلسلہ کی یہ آیات ہیں لکل امرئٍ منھم ما اکتسب من الاثم والّذی تولّٰی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم (پ۱۸ رکوع ۸) ہر آدمی کیلئے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا مثلاً خوش ہو کر اور خوب مزے لے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے ان سب پر درجہ بدرجہ الزام دیا ہے اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا اس کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے (از حاشیہ ص۸۰۲)

فقہاء اسلام نے اسی وجہ سے قذف عائشہؓ کو قرآن کے مخالف قرار دیتے ہوئے موجب کفر قرار دیا ہے چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں نعم لا شکّ فی تکفیر من قذف السیّدۃ عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا او انکر صحبۃ الصدّیق او اعتقد الالوھیّۃ فی علیّ او انّ جبریل غلط فی الوحی اونحو ذٰلک من الکفر الصریح المخالف للقراٰن ولکن لو تاب تقبل توبتہ (شامی ص ۴۰۶ ج ۳) اس کی تکفیر میں شک نہیں ہے کہ جو شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) لگائے یا صدیق (ابوبکر) کے صحابی ہونے یا حضرت علی میں الوہیت کا اعتقاد کرے یا یہ کہ جبریل نے وحی لانے میں غلطی کی یا اسی طرح کی کفر صریح مخالف قرآن کا اعتقاد کرے، لیکن اگر توبہ کرے اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔

انّ الّذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الّذین اٰمنوا لھم عذاب الیم فی الدّنیا والاٰخرۃ (پ۱۸ رکوع ۸) جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں ان کیلئے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں۔

دنیا کے عذاب میں حد قذف، رسوائی اور طرح طرح کی سزائیں اور آخرت کے عذاب سے دوزخ کی سزا مراد ہے (حاشیہ شیخ الاسلام)

ازواج مطہرات میں سے کسی کو طعن کرنا اور عیب لگانا آیات قرآنیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے کفر تو ہے ہی ضمناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی طعن کرنا اور عیب لگانا ہے اور یہ دوسرا کفر ہے۔

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت ج والطّیّبٰت للطّیّبین والطّیّبون للطّیّبٰت ج اولٰئک مبرّءون ممّا یقولون ط لھم مّغفرۃ وّرزق کریم (پ۱۸ رکوع ۹) گندی عورتیں ہیں

گندے مردوں کیلئے اور گندے مرد گندی عورتوں کیلئے اور ستھری عورتیں ہیں ستھرے مردوں کے واسطے اور ستھرے مرد واسطے ستھری عورتوں کے، وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں، ان کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی۔

مطلب واضح ہے کہ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا مطلب؟ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر کی عورت بدکار نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالی ان کی ناموس کی حفاظت کرتا ہے (موضح القرآن بحوالہ حاشیہ شیخ الاسلام)

اب قرآن کریم کے ان واضح ارشادات کے خلاف کسی شخص کا کچھ کہنا اللہ تعالی اور قرآن کریم کا مقابلہ کرنا ہے کیا ایسا شخص مسلمان رہ سکتا ہے۔اس کے علاوہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو تمام مسلمانوں کی مائیں قرار دیا ہے' ارشاد ہے النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تو ہماری اپنی جانوں کے حق سے بہت زیادہ ہے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی سب مسلمانوں کی مائیں ہیں اور مائیں بھی روحانی اور ظاہر ہے کہ روح کا حق جسم سے بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جسم فانی اور روح باقی ہے تو ان روحانی ماؤں کا حق جسمانی ماؤں سے بہت زیادہ ہوگا۔اب غور کیا جائے کہ کیا کوئی شریف آدمی اپنی جسمانی ماں کو گالی دینا یا سننا پسند کریگا اور کیا ان کے بارے میں وہ طرز تحریر اختیار کریگا جو اس زیر بحث کتاب میں اختیار کیا گیا ہے؟ اگر کسی کی ماں کے بارہ میں یہ طرز اختیار کیا جائے تو کیا اس کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرلیا جائے گا یا اس کو سن کر اس کا خون کھول جائے گا اور قابو پانے پر اس دریدہ دہن کے ساتھ کیا کچھ نہیں کریگا؟ تو پھر روحانی ایک ماں کے ساتھ نہیں بلکہ کئی ماؤں (تمام ازواج مطہرات) کے ساتھ یہ گستاخانہ رویہ کیسے جائز اور قابل برداشت ہوسکتا ہے؟

پھر یہ صرف ہماری مائیں نہیں بلکہ بعض تو اپنے سلسلہ نسب کی جسمانی مائیں بھی ہیں، دوسرے ڈیڑھ ہزار سال کے پچھلے تمام مسلمانوں اور آئندہ قیامت تک آنے والے سب مسلمانوں کی بھی روحانی مائیں ہیں تو اس طرح تمام ازواج مطہرات ہمارے بزرگوں اور ہمارے باپ دادوں اور

ماؤں جدی نانیوں کی بھی روحانی مائیں ہوئیں ۔موجودہ اور آنے والے تمام مسلمانوں کی ماؤں کے متعلق فحش گوئی اور گندی زبان استعمال کرنے کی سزا کس قدر سخت ہونی چاہئے اپنے ایمانی جذبات کو سامنے رکھ کر اس کا فیصلہ خود کیجئے، کیونکہ یہ شخص کسی ایک دو کی نہیں اربوں مسلمانوں کی ماؤں کو برا کہہ کر ان سب مسلمانوں کی دل آزاری اور ایمانی جذبات کو مجروح کرنے کے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

اسباب کفر اور موجبات ارتداد کا اجمالی بیان

گذشتہ تفصیل سے اچھی طرح معلوم ہوگیا ہوگا کہ کفر وارتداد کے متعدد اسباب میں سے ارتداد کا ایک سبب بارگاہ رسالت میں گستاخی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ادنیٰ سے ادنیٰ توہین وتنقیص کا ارتکاب کرنا بھی ہے اور یہ گستاخی اگر چہ صریح لفظوں میں نہ ہو بلکہ اشارہ کنایہ اور تعریض کے طور پر ہی ہو پھر بھی موجب کفر وارتداد ہے۔

قرآن کریم کی واضح الدلالت آیات بینات اور اجماع علماء کرام کی عبارات سے اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ درج ذیل امور کفر وارتداد کے اسباب ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کرنا (۲) اللہ کی آیات سے استہزاء کرنا (۳) ملائکہ کرام سے استہزاء کرنا (۴) انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے استہزاء کرنا (۵) قرآن کریم کی کسی آیت کے ساتھ استہزاء کرنا (۶) دین کے کسی قطعی فریضہ کے ساتھ استہزاء کرنا (۷) اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا (۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانا اور طعن کرنا (۹) اللہ تعالیٰ کو سب کرنا (ناشائستہ الفاظ سے یاد کرنا (۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کرنا گالی بکنا (۱۱) کسی بھی نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی اور عیب لگانا (۱۲) آپ کی شان میں تنقیص کرنا (۱۳) قذف عائشہ صدیقہؓ۔

ان امور میں سے کسی ایک کے ارتکاب سے بھی مسلمان مرتد ہوجاتا ہے اور تمام امت کے علماء کا اجماع ہے کہ مرتد کا قتل واجب ہے۔

(جاری ہے)

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ

مقام رسول کریم ﷺ

کتاب وسنت کی روشنی میں (قسط ۸)

ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امت کمالات سے محروم ہوگئی

احادیث سے واضح ہے کہ اچھے خواب دیکھنا، الہام اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ، امت کا دینی اور دنیوی نظم ونسق قائم رکھنا یہ سب وظائف امتِ محمدیہ کے محدثین اور خلفاء کی طرف منتقل کردیے گئے ہیں، اگر کہیں نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو یہ اپنے کمالات واستعداد کے لحاظ سے اس کے اہل تھے کہ انہیں منصب نبوت سے سرفراز کردیا جاتا، اس سے ظاہر ہے کہ امتِ محمدیہ میں بھی استعدادِ نبوت تو موجود ہے اور انسانی بلند سے بلند کمالات اسے حاصل ہوسکتے ہیں اس لئے ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ امت کمالات سے محروم ہوگئی ہے بلکہ تمام تر کمالات اور پوری استعداد ولیاقت کے باوصف اب چونکہ عہدۂ نبوت پر تقرری کیلئے کوئی جگہ خالی نہیں رہی اور منصب نبوت کا عطا ہونا بند ہوگیا اس لئے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ کسی منصب پر تقرر کیلئے ذاتی استعداد اور قابلیت کے علاوہ تقرر کی جگہ کا خالی ہونا بھی شرط ہے، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت واستعداد بھی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقص شمار ہوتا لیکن اگر تقرر کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت محمدیہ کا کوئی قصور نہیں نکلتا ہے، یہ بات حکومت کے نظم ونسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔

امتِ محمدیہ کے کمالات اور عظمت

اس سے امتِ محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہئے کہ جن خدمات کیلئے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اب اس امت کے علماء اور خلفاء اس کو انجام دیا کریں گے۔ اب غور کیا جائے کہ امتِ محمدیہ کی ہتک عزت اس میں ہے کہ اسے نااہل قرار دے کر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔

اسلام میں ختم نبوت کے عقیدہ کو بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے اس لئے آپ نے

غور فرمایا کہ اس عقیدہ کی کس کس طرح حفاظت کی جارہی ہے، اگر کہیں ذرا بھی اس بنیادی عقیدہ کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کردی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی اس سلسلہ میں برداشت نہیں کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت

اسلام میں رسول کی حیثیت کے متعلق ایک اصولی اور سب سے مقدس عقیدہ یہ ہے کہ اس کی ذات بابرکات امت کیلئے مرضیات الٰہیہ کا نمونہ اور اسوہ حسنہ بنا کر بھیجی جاتی ہے، اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ خالق جل وعلا کی نظر میں جتنی پسندیدہ صفات ہیں وہ سب کی سب اس کی ذاتِ گرامی میں جمع کردی جاتی ہیں اور جتنی صفات ناپسندیدہ ہیں وہ ایک ایک کر کے اس کی ذاتِ عالیہ سے علیحدہ کردی جاتی ہیں کیونکہ کسی چیز کے نمونہ کہنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب نمونہ کی پسندیدگی کا معیار رہے۔حق تعالیٰ نے جہاں اپنی جانب سے اپنی کتاب قرآن کریم دے کر سرفراز فرمایا تھا اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا ایک عملی نمونہ بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے، لہٰذا جس طرح اللہ کی کتاب ہر قسم کے عیب ونقص سے منزہ ہے اسی طرح اس کا نمونہ بھی ہر عیب ونقص سے مبرا اور پاک وصاف ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرح صحابہ کرامؓ نے اسوۂ رسول اللہ کو بھی اپنا پیشوا بنالیا، اللہ تعالیٰ نے رسول کی ذات گرامی کو اسوہ حسنہ فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے کسی لیت ولعل کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اسوہ بنایا۔

اسوہ حسنہ رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان ہے

اللہ تعالیٰ نے جس طرح تبلیغ احکام کیلئے آپ کو اپنا رسول بنا کر خود بھیجا تھا اسی طرح آپ کی ذات گرامی کو نمونہ اور اسوہ حسنہ بھی خود ہی بنا کر بھیجا تھا، لہٰذا جس طرح آپ کے علوم کی قدرت ضامن تھی اسی طرح آپ کے اعمال وافعال کی بھی قدرت ہی خود نگران تھی اور عصمت رسول کا مفہوم بھی یہی ہے، اسوہ حسنہ کو رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان سمجھنا چاہئے۔

اب اگر رسول کے کسی قول وعمل میں معصیت کی گنجائش تسلیم کرلی جائے تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی لازم ہوگی، یا رسول کی ذات اسوہ نہ رہے یا معصیت بھی اسوہ کا جزء بن جائے اور امتوں کے حق میں معصیت کا یہ عمل بھی مذموم نہ رہے کیونکہ جب وہ معصیت خود قدرت کے نمونہ میں

موجود ہوگی تو پھر اس کی اتباع پر امت سے باز پرس کیوں ہوگی؟ یہ دونوں باتیں ایک لمحہ کیلئے بھی قابل تسلیم نہیں اس لئے یہی بات تسلیم کرنی ہوگی کہ رسول چونکہ معصوم ہوتا ہے اس لئے اس کے کسی عمل پر معصیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اس کا ہر ہر عمل نظر ربوبیت میں حسنہ اور نیکی شمار ہوتا ہے اور نیکی بھی وہ جس کو نمونہ کہا جا سکے۔

منکرین حدیث کا عقیدہ

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا منصب رسالت صرف تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے، گویا ان کے نزدیک آپ کی حیثیت ایک پوسٹ مین سے زیادہ نہیں تھی (والعیاذ باللہ)

اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن کریم میں رسول کی کیا حیثیت قرار دی گئی ہے، اوپر معلوم ہو چکا کہ منصب رسالت براہ راست خدا کے انتخاب پر موقوف ہے اور یہ کہ رسالت صرف وہبی ہے بندوں کے کسب واکتساب یعنی عبادات وریاضات کو اس کے حصول میں کچھ دخل نہیں ہے، قدرت رسولوں کا انتخاب خود ہی کرتی ہے۔

قرآن کریم کی واضح آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور رسولوں کی تعلیم و تربیت خود کرتے ہیں، وہ ان کو خود پڑھا کر خود ہی یاد بھی کراتے ہیں سنقرئك فلاتنسیٰ o الاما شاء اللّٰہ ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے بجز اس کے جس کو خدا چاہے، پھر اس وحی کے بیان کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھاتے ہیں ان علینا بیانہ اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے عواطف ومیلان قلبی کی بھی نگرانی کرتے ہیں اور ان کے عزائم اور افعال، قلبی خطرات کی بھی پوری نگرانی کی جاتی ہے اس لئے امت ان کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے لولا ان ثبتناك لقد كدت تركن الیھم شیئا قلیلا اگر ہم آپ کو تھام نہ لیتے تو کچھ نہ کچھ آپ ان کی طرف جھک چلے تھے، اس ربانی تعلیم وتربیت، عصمت اور ہمہ وقت نگرانی کی وجہ سے نبی کی جوبات ہوتی ہے وہ خواہش نفس سے پاک اور صاف ہوتی ہے اور انہیں رائے کی عصمت بھی حاصل ہوتی ہے، ارشاد ہے وماینطق عن الھویٰ o ان ھو الا وحی یّوحیٰ o وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، جو بولتا ہے وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے، اور ارشاد ہے انّـــا انزلنا علیك الكتاب بالحق لتحكم بین النّاس بما ارٰك اللّٰہ ہم نے آپ پر قرآن سچائی کے

ساتھ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے معاملات میں اس رائے کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے، رسول کے سوا کسی کے ساتھ یہ وعدہ نہیں ہے کہ مخلوق میں فیصلہ کیلئے اللہ تعالیٰ خود ان میں سمجھ پیدا کر دیتا ہے، یہ رائے کی عصمت انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔

آیت ومایبنطق عن الھوی کے معنی

منکرین حدیث اس آیت کریمہ کو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں حالانکہ یہاں رسول کی صفت نطق کی مطلقاً مدح مقصود ہے، قرآن کریم پڑھنے کیلئے تمام جگہ تلاوت یا قراءت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو ومایبنطق کی جگہ ومایتلو یا ومایقرا کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ منکرین حدیث چونکہ حدیث کے سرے سے مخالف ہیں اس لئے وہ رسول کو کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امراء وحکام سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ رسول اپنی ذات اور تمام صفات میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اس لئے اس کے کان وہ کچھ سنتے ہیں جو عام مخلوق کے کان نہیں سنتے، اس کی آنکھ وہ دیکھتی ہے جو عام آنکھیں نہیں دیکھتیں، اسی لئے فرمایا انی اری ما لا ترون میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس منہ سے حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا حتی کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی فرمایا انی لا اقول الا حقا میں خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں، اسی لئے فرمایا کہ غصہ اور رضامندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے نکلے سب لکھ لو وہ حق ہی حق ہوگا، جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ صدق وصفا کی کس منزل پر ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس جگہ قرآن نے آپ ﷺ کے کسی خاص بات کہنے کے متعلق صفائی پیش نہیں کی وما ینطق بالقران وغیرہ نہیں فرمایا بلکہ مفعول کو حذف کیا ہے لہٰذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی صفت نطق کی پاکیزگی بتلانا منظور ہے، دیکھئے تفتازانیؒ کی وہ تقریر جو انہوں نے ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون میں کی ہے۔ورائے خواہشات نفس سے پاکیزگی اور خطرات کی اس عصمت کی وجہ سے وہ عالم کیلئے مجسم نمونہ عمل بنتے ہیں اور وہ جو بھی کہہ دیتے ہیں سب خواہشات نفس سے پاک اور جو کرتے ہیں وہ سب نیکی ہی نیکی ہوتی ہے اس لئے ان کی ہستی آنکھ بند کر کے اتباع کے قابل ہوتی

ہے اور کسی کو ان پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (ہر قوم کیلئے اپنے پیشوا نمونہ ہوتے ہیں) تمہارے لئے بہترین نمونہ خدا کا یہ رسول ہے۔

احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اتباع کے ساتھ امت پر رسول کا احترام اتنا واجب ہوتا ہے کہ اس کے سامنے آگے بڑھ کر کوئی بات کہنا ممنوع ہوتا ہے یاایھا الذین امنوا لاتقدموا بین یدی اللّٰہ ورسولہ واتقوا اللّٰہ اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کے سامنے اونچی آواز سے بولنا اس کو عام انسانوں کی طرح آوازیں دینا حبط عمل کا موجب ہوسکتا ہے، پڑھئے آیات ذیل:

(۱) یاایھا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیّ ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون ○ اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اور اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے ایک دوسرے کے سامنے تڑخ کر بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

(۲) لاتجعلوا دعاء الرّسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا رسول کو آپس میں اس طرح مت پکارو جیسا ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

(۳) انّ الذین ینادونک من وّراء الحجرات اکثرھم لایعقلون ○ جو لوگ آپ کو دیوار کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا جب عمل کو ضائع کرنے کا موجب ہوسکتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کردینا اعمال صالحہ کیلئے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، ارشاد ہے ومن یّطع الرّسول فقد اطاع اللّٰہ جو رسول کا کہنا مانے اس نے خدا ہی کا کہنا مانا۔ آیات بالا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی حیثیت کا علم ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت مطاع اور لازم الاتباع ہے اور اس کی اطاعت خدا تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا ذمہ لیا ہے کہ رسول جو پڑھ کر سنائیں گے پھر اس کی جو مراد بیان

کریں گے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی، جوکلمہ زبان سے نکالیں گے وہ خواہشات نفس سے قطعاً پاک ہوگا، قرآن میں جورائے دیں گے وہ بھی خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہوگی یہاں تک کہ ان کے دل میں جوخطرات بھی گذریں گے وہ بھی قدرت کی حفاظت کے نیچے رہیں گے۔اس کے بعد یہ حق کس کو ہوسکتا ہے کہ وہ رسول کے کلام میں اپنی جانب سے یہ تفریق پیدا کردے کہ جواس نے قرآن کہہ کرسنایا ہے وہ تو واجب الاطاعت ہے لیکن جواس نے اس کی مراد بتلائی یا اس نے خودفرمایا وہ واجب الاطاعت نہیں بلکہ اس کوشرعی کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں۔

رسول بذات خودایک شرعی منصب ہے،وہ آتے ہی اس لئے ہیں کہ دنیا کو ہدایت اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہ دکھلائیں،اس لئے اس بارہ میں وہ جو کہتے ہیں وہ سب رب العزت کی رسالت کی حیثیت سے کہتے ہیں، جوپہنچاتے ہیں وہ خدا ہی کا حکم ہوتا ہے، اگرقرآن کریم پہنچانا رسالت میں داخل ہے تواس کی مراد بیان کرنا، اس کی تفصیلات سمجھانا یا دین کے بارہ میں اپنی ہی جانب سے قرآنی آیات کے ماتحت کچھ اوراحکام صادر کرنا رسالت کا جزء کیوں نہیں؟

منکرین حدیث کے عقیدہ پر تبصرہ

قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں بھی اس طرف کوئی معمولی سا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ رسول کی یہ تمام صفات قرآن کے ساتھ خاص ہیں، یہاں تک کہ جب وہی دین کے معاملہ میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے تو اس کی حفاظت نہیں کی جاتی اوراس میں خواہش نفس کا دخل ہونے لگتا ہے اوراس وقت اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں رہتی (العیاذباللہ)

اب ایک طرف آپ ان آیات قرآنیہ کوپڑھئے دوسری طرف منکرین حدیث کا یہ مذکور عقیدہ دیکھئے کہ صرف قرآن سنا کر رسالت کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے،ان کے اعتقاد پرقرآن کواللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ لینے کے بعداب وہ اورہم (نعوذباللہ) برابر ہیں،جیسا وہ قرآن سمجھتے ہیں ہم بھی سمجھ لیتے ہیں،دین کے معاملات میں ان کی رائے کا وزن وہی ہے جوہماری رائے کا۔اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ رسول اپنی زندگی کے طویل وعریض عرصات میں بہت ہی مختصر لمحات کیلئے منصب رسالت پر مامور ہوتا ہے، بقیہ زندگی میں اس کی حیثیت پھروہی ہوجاتی ہے جوعام انسانوں کی ہے،لیکن ان آیات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ رسول کیلئے اتباع اوراطاعت کا حق اوراس کے یہ آداب

وعظمتیں کسی وقت کے ساتھ خاص ہیں بلکہ اس کا جواحترام تبلیغ قرآن کے وقت واجب ہے وہی تدبیر مہمات اورفصل خصومات اورامامت کے دوسرے نظم ونسق کے وقت واجب ہوتا ہے۔پس جب اس کا احترام ہمہ وقت واجب ہےتو یہی ماننا پڑے گا کہ وہ ہر وقت رسول ہے،اور جب ہمہ وقت رسول ہےتو دین کے معاملہ میں اس کا جوحکم ہے وہ ہمہ وقت واجب الاطاعت ہے۔

قرآن کریم میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

رسول کی اطاعت مستقل حیثیت سے بھی واجب ہوتی ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول واولی الامرمنکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ الی اللّٰہ والرّسول فرمانبرداری کرواللہ کی اورفرمانبرداری کرورسول کی اوران کی جوتم میں حکم کے مالک ہوں (یعنی حکام وغیرہ)پھراگرتم کسی بات میں جھگڑ پڑوتو اسے خدااوررسول کے سامنے پیش کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتیں واجب فرمائی ہیں،دومستقل اورایک غیرمستقل، اللہ اوررسول کی اطاعت تو مستقل واجب کی گئی ہے اوراولوالامرکی تیسری اطاعت ان دونوں اطاعتوں کے ماتحت درج کردی گئی ہے،اسی لئے پہلی دواطاعتوں کیلئے لفظ اطیعوا (فرمانبرداری کرو) مکرراستعمال کیا گیا ہےاورتیسری اطاعت کیلئے جداگانہ امرنہیں فرمایا گیا،اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں رسول کی اطاعت خداتعالیٰ کی اطاعت کی طرح ایک مستقل حیثیت بھی رکھتی ہےاوریہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اولوالامرکی اطاعت ان اطاعتوں کی طرح مستقل حیثیت نہیں،یہی وجہ ہے کہ تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعدصحابہؓ نےکبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پرقرآن سے دلیل کے پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہو،اس کے برخلاف اماموں کوہمیشہ اپنی اطاعت کیلئے قرآن وحدیث کے پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے،بلکہ بعض مرتبہ ان کواپنےقول سے رجوع بھی کرنا پڑتا ہے۔

اوریہ بھی ظاہر ہے کہ قرآنی امرمیں تشریعی حیثیت کےسوااورکوئی حیثیت نہیں ہےاس لئے یہاں رسول کی اطاعت بھی صرف تشریعی حیثیت سے واجب ہوگی نہ کسی اورحیثیت سے۔

(جاری ہے)

مولانا حافظ فضل الرحیم مدظلہم لاہور

توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

اور مغرب کا سیاسی وتہذیبی ایجنڈا

ڈنمارک اور اس کے بعض مغربی ممالک کے اخبارات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین آمیز اور شرانگیز خاکوں کی اشاعت کی ناپاک جسارت ۱۴۰ کروڑ فرزندان توحید کیلئے ناقابل برداشت صدمے کا باعث ہونے کے ساتھ لمحہ فکریہ بھی ہے، ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ سوچے کہ آخرت میں کس منہ سے شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حقدار ہوگا، ایسا نظر آ رہا ہے کہ بنیاد پرست عیسائیوں اور انتہاپسند یہودیوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ۵۴ لاکھ آبادی والے ملک ڈنمارک کو استعمال کیا ہے، ڈنمارک کی حکومت کو بہر حال امریکہ سمیت ان مغربی طاقتوں کی حمایت حاصل ہے جہاں کی حکومتیں ان بنیاد پرست اور انتہاپسند عناصر کے زیر اثر ہیں، ورنہ ڈنمارک جیسا چھوٹا ملک ان طاقتوں کی پشت پناہی کے بغیر اس مسئلے پر مسلمان ملکوں کے سفیروں سے ملنے کی درخواست مسترد کرنے کی جسارت کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ امت مسلمہ اجتماعی بصیرت ومشاورت سے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے اغراض ومقاصد کا تعین کرے اور اسلامی کانفرنس تنظیم (او آئی سی) کے پلیٹ فارم سے ایک متفقہ لائحہ عمل اختیار کرے، ہم سمجھتے ہیں کہ ان شرانگیزوں کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اسلامی ملکوں اور یورپی یونین کے موجودہ خوشگوار تعلقات کو خراب کرنا، یورپی یونین کے اہم ملکوں نے عمومی طور پر عراق پر امریکی حملوں کی مخالفت کی تھی اس بات کا امکان رہا ہے کہ امریکہ کی ایران کے خلاف جارحانہ کارروائیوں کی یورپی یونین مزاحمت کرے گی، امریکہ کی استعماری پالیسیوں سے بیشتر اہم یورپی ممالک، چین اور روس بھی پریشان نظر آ رہے ہیں چنانچہ اس بات کا امکان ہے کہ اسلامی ممالک ان ملکوں کے ساتھ مل کر اگلی دو یا تین دہائیوں میں امریکہ مخالف ایک طاقتور بلاک تشکیل دے سکتے ہیں، ان خاکوں کی اشاعت سے یورپی یونین اور عالم اسلام کے درمیان کشیدگی پیدا ہوئی ہے جو کہ امریکہ کے مفاد میں ہے۔

(۲) یہودیوں کے مذموم مقاصد کے حصول میں معاونت کرنا، ان قابل نفرت خاکوں کی

اشاعت سے تہذیبوں کے درمیان تصادم کے امکانات بڑھے ہیں جبکہ عیسائت اوراسلام کے درمیان تصادم کی راہ ہموار ہونے کی سمت میں پیش رفت کے بھی خطرات بڑھے ہیں۔

(۳) یورپی یونین اور عالم اسلام میں کشیدگی پیدا کر کے امریکہ کے اس عزم کو تقویت پہنچانا جس کے تحت وہ اس صدی میں اپنی واحد سپر پاور کی پوزیشن کو ہر حال میں برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

(۴) او آئی سی کا ایک مرتبہ پھر امتحان لینا کہ وہ اس قسم کی شرانگیزی کے خلاف مؤثر اقدامات اٹھانے کی سکت رکھتی ہے یانہیں تا کہ آئندہ اس قسم کی حرکتیں کرنے یا نہ کرنے کی منصوبہ بندی کی جا سکے۔

(۵) ان خاکوں سے اسلامی دنیا میں ہونے والے جذباتی اور ممکنہ طور سے کہیں کہیں پرتشدد، احتجاجی مظاہروں کی بڑے پیمانے پر تشہیر کرنا خصوصاً مغربی ممالک کے عوام کو ایک مرتبہ پھر یہ باور کرانا کہ مسلمان تو ہوتے ہی دہشت گرد ہیں، واضح رہے کہ نائن الیون کے بعد سے یہ مذموم مہم جاری ہے۔

(۶) مسلمان ملکوں میں مایوسی اور بددلی پیدا کرنا اور بہت سے اسلامی ملکوں کی حکومتوں اور ان کے عوام کے درمیان اعتماد کے بحران کو مزید سنگین بنانا، کیونکہ اس طرح کے معاملات میں مسلمان ملکوں کی عوام مذہبی جماعتوں اور کچھ سیاسی جماعتوں کا ردعمل انتہائی شدید اور جذباتی ہوتا ہے جب کہ بیشتر اسلامی ملکوں کے حکمران خود او آئی سی مختلف وجوہات کی بناپر مصلحت پسند اور بے عملی کا شکار رہے ہیں۔

(۷) یورپ اور امریکہ میں رہائش پذیر مسلمانوں کے ممکنہ طور پر ہونے والے احتجاجی اقدامات کو بہانہ بنا کر ان کے خلاف کاروائیاں کرنے کی راہ ہموار کرنا یا ان کیلئے ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ خود ہی ان ممالک سے رخت سفر باندھ لیں۔

امت مسلمہ کو درپیش چیلنجوں سے نمٹنے کے ضمن میں او آئی سی کا کردار غیر مؤثر رہا ہے، ستمبر ۲۰۰۵ء میں توہین رسالت پر مبنی خاکے ڈینش زبان میں چھپنے والے ڈنمارک کے ایک اخبار میں شائع ہوئے تھے لیکن او آئی سی نے ان کا نوٹس نہیں لیا تھا، چنانچہ ان اشتعال انگیز خاکوں کی اشاعت کے خلاف احتجاجی مظاہروں میں جو تشدد کا عنصر شامل ہوا ہے اس کی وجہ او آئی سی اور مسلمان حکومتوں کی بے عملی اور بے حسی سے پیدا ہونے والی بددلی اور مایوسی بھی ہے، اب یہ ازحد ضروری ہے احتجاج پرامن اور باوقار ہوں۔

توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے پیدا ہونے والے چیلنجوں سے نبردآزما ہونے کیلئے

مؤثر اورقابل عمل حکمت عملی وضع کرنی ہوگی، چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ان توہین آمیز خاکوں کے ضمن میں نہ صرف مغربی آراء بلکہ اسلامی دنیا و یورپی یونین کے درمیان معاشی و اقتصادی روابط اور عالم اسلام کی معاشی، اقتصادی اور سیاسی صورتحال کو مدنظر رکھا جائے۔ چند مثبت آراء یہ ہیں۔

(۱) آسٹریا کے صدر نے جو اس وقت یورپی یونین کے صدر بھی ہیں کہا ہے کہ ذرائع ابلاغ کو مسلمانوں کے توہین رسالت کے نظریہ کی پاسداری کرنا چاہئے۔

(۲) سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے یورپی اخبارات میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی مذمت کی اور کہا کہ یہ مذہبی اور اخلاقی اقدار کے خلاف ہیں۔

(۳) پاکستان میں متعین جرمنی کے سفیر نے کہا کہ یورپ میں اخبارات کو کنٹرول کرنے کا کوئی نظام نہیں جس سے اکثر قابل اعتراض مواد بھی شائع ہو جاتا ہے، انہوں نے تجویز پیش کی کہ اقوام متحدہ اس کی اصلاح کرے اور اسلامی ملکوں اور تیسری دنیا کے ملکوں کو منصفانہ نمائندگی دی جائے۔

(۴) دولت مشترکہ کے سیکرٹری جنرل کا کہنا ہے کہ دولت مشترکہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دنیا میں آزادی اظہار ہونا چاہئے مگر اس کے ساتھ ذمہ داری کا احساس بھی ہونا چاہئے تاکہ کسی فرد، قوم یا مذہب کی ہتک نہ ہو۔ اس سلسلہ میں منفی اور جارحانہ بیانات بھی ایک نظر دیکھئے:

(۱) یورپی یونین نے کہا ہے کہ ڈنمارک پر حملہ یورپی یونین کے تمام ملکوں پر حملہ تصور ہوگا جب کہ یورپی کمیشن کے صدر نے تنبیہ کی کہ مسلمان ملکوں کی جانب سے ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ دراصل یورپ کی مصنوعات کا بائیکاٹ تصور ہوگا۔

(۲) اسلام آباد میں متعین ڈنمارک کے سفیر نے کہا تھا کہ ڈنمارک سے مسلم ممالک کی برآمدات ان کی برآمدات کا صرف ۳.۲ فیصد ہیں اس لئے بائیکاٹ سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(۳) یورپی یونین کی اسمبلی نے ۱۶؍فروری ۲۰۰۶ء کو ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آزادی اظہار اور آزادی صحافت ایک عالمگیر حق ہے اور اس حق پر اس وجہ سے قدغن نہیں لگائی جاسکتی کہ اس سے کوئی فرد یا گروپ ناراض ہوتا ہے۔

(۴) وہائٹ ہاؤس کے ترجمان نے کہا ہے کہ کچھ مسلمان ملکوں میں پرتشدد احتجاجی مظاہروں سے مسلمانوں کے اس دعوے کی تردید ہوگئی ہے کہ وہ امن پسند ہیں۔

دنیا کی مجموعی آبادی کا ۲۲ فیصد ہونے کے باوجود مسلمان ملکوں کا دنیا کی جی ڈی پی میں ان کا حصہ تقریباً ۵ فیصد اور مجموعی تجارت میں حصہ تقریباً ۷.۵ فیصد ہے جب کہ مسلمان ملک زیادہ تر تجارت بھی غیر مسلم ممالک کے ساتھ کرتے ہیں، مسلمان ممالک کے مغربی ممالک کے بینکوں وغیرہ میں تقریباً گیارہ سو ارب ڈالر جمع ہیں جب کہ مسلمان ممالک نے ان ممالک سے ۱۸۵۰ ارب ڈالر قرضہ لیا ہوا ہے، گویا مسلمان ممالک کی جمع شدہ رقوم کا ایک حصہ بطور قرض دے کر یا عالمی مالیاتی اداروں سے دلوا کر مغربی استعماری طاقتیں خصوصاً امریکہ مسلمان ملکوں سے اپنی سیاسی اور معاشرتی شرائط منواتے رہے ہیں۔

امت مسلمہ مذہب سے دور ہوتی جارہی ہے اور مسلم حکمران اسلامی تعلیمات کے ضمن میں معذرت خواہانہ رویہ اپنائے ہوئے ہیں، اسلامی نظام معیشت سے فرار اور سودی نظام پر اصرار کیا جارہا ہے، امت مسلمہ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے، تعلیم اور ٹیکنالوجی میں پیچھے ہونے کی وجہ سے بہت سے اسلامی ممالک اپنے دفاع کیلئے بھی مغرب پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں، ان خاکوں کی اشاعت کرنے والے ممالک کے ساتھ مغربی طاقتوں کی یکجہتی اور اشتعال انگیز بیانات، امت مسلمہ کے حالات اور ان خاکوں کے مذموم مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ اسلامی ممالک او آئی سی کے پلیٹ فارم سے بصیرت اور مشاورت سے کام لیتے ہوئے ایک مؤثر لائحہ عمل فوری طور پر اختیار کریں۔

او آئی سی اور مسلمان ممالک کو واضح طور سے دنیا کو یہ بتادینا چاہئے کہ وہ ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے، دریں اثنا توہین آمیز خاکوں کے خلاف عالم اسلام میں پر وقار اور پر امن احتجاج جاری رکھنا چاہیے، اگر یورپی یونین توہین آمیز خاکوں کے ضمن میں امت مسلمہ کے مطالبات پر ہٹ دھرمی کا رویہ برقرار رکھتی ہے تو متعلقہ ملکوں کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کرنے، ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے اور تیل کو کسی نہ کسی شکل میں بطور ہتھیار استعمال کرنے کے ہمہ گیر اثرات ومضمرات پر او آئی سی کو انتہائی سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا اور اسلامی ترقیاتی بینک و اسلامک چیمبر آف کامرس سے بھی مشاورت کرنا ہوگی۔ یہ معاملہ ابھی تک او آئی سی کے ایجنڈے پر نظر نہیں آیا، امت مسلمہ اور مسلمان حکمرانوں کو اس بات کا ادراک کرنا ہوگا کہ اس ضمن میں مومنانہ بصیرت اور مشاورت سے فیصلے کرنے اور مندرجہ بالا سفارشات پر عمل کرنے کے بجائے اگر توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کا معاملہ اقوام متحدہ میں لے جایا گیا تو یہ معاملے کو سرد خانے میں ڈالنے کے مترادف ہوگا اور امت کے مفادات کو زک پہنچے گی۔

مرسلہ: مولانا وقار احمد صاحب

فتنوں اور مظالم سے محفوظ رہنے کا عمل

از مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی دعا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، شیخ جلال الدین سیوطیؒ جلیل القدر حافظ حدیث ہیں انہوں نے جمع الجوامع میں نقل کیا ہے کہ ابوالشیخ رحمہ اللہ نے کتاب الثواب میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس بیٹھے تھے، حجاج نے حکم دیا کہ ان کو مختلف قسم کے چار سو گھوڑوں کا معائنہ کرایا جائے، حکم کی تعمیل کی گئی، حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا فرمایئے اپنے آقا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اس قسم کے گھوڑے اور ناز و نعمت کا سامان کبھی دیکھا ہے؟ فرمایا بخدا یقیناً میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جن گھوڑوں کی لوگ پرورش کرتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں، ایک شخص گھوڑا اس نیت سے پالتا ہے کہ حق تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرے گا اور داد شجاعت دے گا، اس گھوڑے کا پیشاب، لید، گوشت، پوست اور خون قیامت کے دن تمام اس کے ترازوئے عمل میں ہوگا۔ اور دوسرا شخص گھوڑا اس نیت سے پالتا ہے کہ ضرورت کے وقت سواری کیا کرے اور پیدل چلنے کی زحمت سے بچے (یہ نہ ثواب کا مستحق ہے اور نہ عذاب کا) اور تیسرا شخص وہ ہے جو گھوڑے کی پرورش نام اور شہرت کیلئے کرتا ہے تاکہ لوگ دیکھا کریں کہ فلاں شخص کے پاس اتنے اور ایسے ایسے عمدہ گھوڑے ہیں، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور حجاج! تیرے گھوڑے اسی قسم میں داخل ہیں، حجاج یہ بات سن کر بھڑک اٹھا اور اس کے غصہ کی بھٹی تیز ہوگئی اور کہنے لگا اے انس! جو خدمت تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ہے اگر اس کا لحاظ نہ ہوتا نیز امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان نے جو خط مجھے تمہاری سفارش اور رعایت کے باب میں لکھا ہے اس کی پاسداری نہ ہوتی تو نہیں معلوم کہ آج میں تمہارے ساتھ کیا کر گذرتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نہ تجھ میں اتنی ہمت ہے کہ تو مجھے نظر بد سے دیکھ سکے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند کلمات سن رکھے ہیں میں ہمیشہ

ان ہی کلمات کی پناہ میں رہتا ہوں اور ان کلمات کی برکت سے مجھے نہ کسی سلطان کی سطوت سے خوف ہے، نہ کسی شیطان کے شر سے اندیشہ ہے۔ حجاج اس کلام کی ہیبت سے بے خود اور مبہوت ہو گیا تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور (نہایت لجاجت سے) کہا اے ابوحمزہ! وہ کلمات مجھے بھی سکھا دیجئے، فرمایا تجھے ہرگز نہ سکھاؤں گا، بخدا تو اس کا اہل نہیں۔

پھر جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت آیا ابان جو آپ رضی اللہ عنہ کے خادم تھے حاضر ہوئے اور آواز دی، حضرت نے فرمایا کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا وہی کلمات سیکھنا چاہتا ہوں جو حجاج نے آپ رضی اللہ عنہ سے چاہے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو سکھائے نہیں، فرمایا ہاں تجھے سکھاتا ہوں تو ان کا اہل ہے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی تھے، اسی طرح تو نے بھی میری خدمت دس برس تک کی اور میں دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوتا ہوں کہ میں تجھ سے راضی ہوں، صبح و شام یہ کلمات پڑھا کرو، حق سبحانہ وتعالیٰ تمام آفات سے محفوظ رکھیں گے۔

حضرات علماء کرام وطلباء ومبلغین اسلام اور تمام اہل اسلام صبح و شام اس دعا کو پڑھا کریں ان شاء اللہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، وہ دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى اَهْلِيْ وَمَالِيْ وَوَلَدِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى مَآ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ، اَللّٰهُ رَبِّيْ لَآ اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَعْظَمُ مِمَّآ اَخَافُ وَاَحْذَرُ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَآؤُكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّرِيْدٍ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۲۳۳، ۲۳۴ ج ۸)

مرسلہ: مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہم

مرثیہ

مکتوب گرامی حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب مدظلہم

محترم المقام حضرت مولانا زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے حضرت کے مزاج بعافیت ہوں گے، اللہ تعالیٰ خدمت دین اور ہم نا اہلوں کی سرپرستی کیلئے تا دیر سلامت با کرامت فرماویں، آمین۔ امیر الہند، فدائے ملت، شیخ العرب والعجم کے نورنظر حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے سچے جانشین کے وصال پر دل ودماغ پر بہت اثر رہا اور اسی ضمن میں گذشتہ رات خواب میں اپنے آپ کو دیوبند کے قبرستان قاسمی میں حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے مزار مبارک کے قریب پایا اور علامہ انور صابری مرحوم کے پردرد مرثیے کا ایک شعر میں بار بار دہرا رہا ہوں اور اسے دہراتے دہراتے میری آنکھ کھل گئی تو اس وقت بھی زبان پر یہی شعر تھا ؎

خزاں کی زد پہ آ گیا رشید وقت کا چمن اجڑ گئی بہار باغ قاسمی تیرے بغیر

یہ پردرد مرثیہ ہمارے والد ماجد زاہد العصر شیخ التفسیر حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی نوراللہ مرقدہ کبھی کبھار انتہائی سوز وگداز سے پڑھا کرتے تھے اور اس وقت حضرت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات برس رہی ہوتی تھی۔ بار بار دل میں آیا کہ ان مبارک لمحات کو تحریر میں محفوظ کرکے آپ کے ماہنامہ کی وساطت سے تمام عشاق مدنیؒ تک پہنچا دوں۔ والسلام مخلص دعاگو ودعاجو محمد ارشد الحسینی

سکون زندگانی کی دوا پانے کہاں جائیں
جگر کے داغ، دل کے زخم دکھلانے کہاں جائیں

تیرے گیسوئے ہستی سے جنوں کی جن کو نسبت تھی
بتا! روحِ حسین احمد! وہ دیوانے کہاں جائیں

نفس نفس ہے غم نصیب زندگی تیرے بغیر
الم کدہ ہے کائناتِ سرمدی تیرے بغیر

دماغ ودل سے چھن گئی ہے روشنی تیرے بغیر
خموش ہے چراغ علم وآگہی تیرے بغیر

حیات وعشق ومعرفت کی دے رہی تھی جو خبر
وہ نبض ذکر وشغل دل میں رک گئی تیرے بغیر

ہیں تا حدود چشم شوق ظلمتیں ہی ظلمتیں
کہاں گئی تجلی رخ نبی تیرے بغیر

کٹیں گی کیسے صبح وشام آرزو کی ساعتیں
ابھر رہی ہیں انجمنیں نئی نئی تیرے بغیر

قرن اولین کی یاد کس کے پاس آئے گی؟
ہے بند باب فیض دیدۂ علی تیرے بغیر

محبتوں کا وہ مقام اتصال اب کہاں؟
نظر میں اپنی ہم ہیں خود اجنبی تیرے بغیر

عجم کے شیخ، مرشد عرب، زعیم کائنات
کرے گا کون بے کسوں کی دلدہی تیرے بغیر

خزاں کی زد پہ آ گیا رشید وقت کا چمن
اجڑ گئی بہار باغ قاسمی تیرے بغیر

تیری حیات کے نقوش جادۂ حیات میں
نہ پا سکا نہ پا سکے گا اب کوئی تیرے بغیر

شجاعتِ حسینؓ کو تھا ناز جس کی ذات پر
ہے کون اب وہ جانِ سرّ احمدی تیرے بغیر

بنام نسبتِ قوی سکون روح کیلئے
کسے پکارتا پھرے گا صابری تیرے بغیر

مولوی عمر فاروق راجن پوری

تاریخ اور حدیث میں فرق

حقیقت حدیث

حدیث کا لغوی معنی ہے: جدید (المنجد) خبر دینا (مفردات) لفظ ''حدیث'' کے مادہ کو جیسے بھی تبدیل کرتے چلے جائیں اس میں خبر دینے کا مفہوم ضرور رہے گا (علوم حدیث) قرآن مجید میں اس جیسے الفاظ اٹھارہ جگہوں میں آئے ہیں (لغات قرآن) محدثین کی اصطلاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریر کو حدیث کہتے ہیں، تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہ فرمائی ہو، محدثین اصولیین کے نزدیک تقریر بھی بالاتفاق حدیث میں شامل ہے (الدر المنضود)

حدیث کا موضوع ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ (المسائل والدلائل)

حقیقت تاریخ

تاریخ کہتے ہیں پہلے والے لوگوں کے حالات واقعات کو۔ یہ علم ایک بلند پایہ، معزز اور بہت سے فائدوں والا فن ہے کیونکہ یہ ہمیں گذشتہ اقوام کے اخلاق واحوال بتاتا ہے، انبیاء کی سیرتوں پر آگاہ کرتا ہے اور سیاست میں سلاطین کے حالات کی خبر دیتا ہے تاکہ کوئی کسی دینی یا دنیوی سلسلے میں ان میں سے کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہے تو اسے پورا پورا فائدہ حاصل ہو (مقدمہ ابن خلدون)

ضرورت تاریخ

عقل مند انسان نے ہمیشہ سے اپنے مستقبل کی اصلاح ماضی کے واقعات وتجربات اور حالات ومشاہدات کی روشنی سے کی ہے صحیح تاریخی واقعات طالبین حق، راہ ہدایت کے متلاشی، خدا ترس بندوں کیلئے بہترین استاذ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے پندوموعظت کا ایک بہت بڑا خزانہ حاصل کرسکتے ہیں۔ بہرکیف مستقبل کی اصلاح وترقی اور استحکام کیلئے گذشتہ واقعات سے بے پروائی نہیں برتی جاسکتی کیونکہ انسان پہلے کے حیرت انگیز، عبرت ناک واقعات کو پڑھ کر اپنے آپ کو سنوار سکتا ہے اور انبیاء کرام ورسل علیہم السلام اور اقوام وملل کے صحیح حالات کے ضمن میں ایک مومن کیلئے اطمینان

وسکون اور قوت قلبی وروحانیت کا بہترین سامان اور نصیحت وتذکیر کا کافی مواد جمع ہوتا ہے، ان سے صرف نظر کر کے زندگی گذارنا گویا جنگل کی زندگی بسر کرنا ہے، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں احکام واصول کے ساتھ ساتھ سابقہ قوموں کے سبق آموز واقعات کو پورے اہتمام سے بیان کیا اور جگہ جگہ اقوام ماضیہ کے قصص وحکایات سے پیدا ہونے والے پر حکمت وایمان افروز نتائج پر متنبہ فرمایا ہے کیونکہ عقل مند انسان کا فطری خاصہ ہے جب وہ سنتا ہے کہ میرے ابنائے جنس پہلے فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک وتباہ ہو چکے ہیں تو ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جن امور پر فلاح وکامیابی حاصل ہوئی تو طبعًا اس کی طرف دوڑتا ہے۔

مغالطہ

بعض تجدد پسندوں نے حدیث اور تاریخ کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی، حدیث کو تاریخ کا حصہ شمار کر کے حدیث کو حجت سے نکالنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور انکار حدیث کا باب کھول کر کافی احکام الٰہی سے ہاتھ دھونا چاہتے ہیں، غیر استنادی تاریخ کو سامنے لاکر لوگوں کو حدیث سے دور رکھنے کی چال چلا رہے ہیں اور بعض تجدد پسند تاریخ کو حدیث کا مقام دے کر دین کے اندر من گھڑت باتیں داخل کر رہے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کی سازشوں کو ناکام کرنے کیلئے حدیث اور تاریخ کے درمیان فرق بیان کئے ہیں تا کہ حق واضح ہو اور مسلمان اس گمراہ فرقے کے جال میں نہ پھنسیں۔

حدیث وتاریخ میں امتیازی فرق

(۱) حدیث کا تعلق خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، بخلاف تاریخ کے اس کا تعلق عام کسی حکومت، قوم، جنگ، غرض اس کی کونا کوں چیزوں سے ہوتا ہے۔

(۲) محدثین جب کسی حدیث کو بیان کرتے ہیں تو من وعن وہی بیان کرتے ہیں جو کچھ انہوں نے سنا ہوتا ہے، بخلاف مؤرخین کے عموماً جب کسی چیز کی تعداد کو بیان کرتے ہیں تو بڑھا چڑھا کر بتایا کرتے ہیں۔

(۳) محدثین جب کسی حدیث کو کسی راوی سے لیتے ہیں تو راوی کو اصول حدیث کے قواعد پر پرکھتے ہیں اگر قواعد کے مطابق ہو تو لیتے ہیں ورنہ چھوڑ دیتے ہیں، بخلاف مؤرخین کے وہ صحیح وغلط دونوں پر قناعت کر لیتے ہیں اور ان میں قواعد کا تصور بھی نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے تاریخ میں بہت زیادہ غلطیاں ہیں۔

(۴) بعض مؤرخین کا بڑے لوگوں کی مدح وثنا کر کے ان کو خوش کرنا اور ان کا قرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے جس کی وجہ سے غلط بیانیاں کر بیٹھتے ہیں، بخلاف محدث کے وہ تو اس کو حاشیہ خیال میں بھی نہیں لاسکتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (مشکوۃ شریف) اس لئے محدث ڈرتا ہے، خشیت الٰہی اس کے دل میں گھر کئے ہوتی ہے۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو جو کچھ فرماتے تو اس کی باضابطہ نگرانی بھی فرماتے کہ اس چیز کی تعمیل کہاں تک ہورہی ہے، تاریخ میں ایسا نہیں ہے کہ مؤرخین نے اپنے راویوں پر کڑی نظر کی ہو تاکہ غلط بیانی نہ کریں (تدوین حدیث)

(۶) حدیث پڑھنا پڑھانا باعث ثواب ہے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے دعائیں فرمائی جو کہ سعادت عظمیٰ ہے۔ علم تاریخ جاننے والے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا نہیں فرمائی۔

(۷) قرآن وحدیث کے اتباع کو خود اللہ اور اس کے رسول نے بھی فرمایا ہے، بخلاف تاریخ کے کہ قرآن کے پورے تیس پاروں میں چراغ ہاتھ میں لئے ڈھونڈتے رہو کہیں تاریخ کی اتباع کا حکم نہیں ملے گا۔

(۸) تواریخ کی روایات احادیث مبارکہ کے سامنے ہیچ ہیں، اگر تاریخی روایات اور احادیث صحیحہ میں تعارض آجائے تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے (معارف مدنیؒ)

(۹) حدیث میں راوی کی عدالت کو دیکھا جائے گا، تاریخ کو ہر آدمی بیان کرسکتا ہے۔

(۱۰) حدیث وحی غیر متلو ہوتی ہے جبکہ تاریخ کا تعلق عام انسانوں سے ہوتا ہے۔

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم

ناشر

ادارہ اشرف البیان جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

مولوی عابد محمود حقانی

اسم مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم

فضائل ومناقب اور خصوصیات (قسط۲)

اسم محمد عرب میں پہلی بار

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے بہت سے نام ہیں انا محمد وانا احمد الخ کہ میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی (متفق علیہ) آپ کا نام رکھنے والے آپ علیہ السلام کے دادا حضرت عبدالمطلب ہیں، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو ولادت کے ساتویں دن آپ کے دادا نے ایک بھیڑ ذبح کر کے آپ علیہ السلام کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد رکھا (یہ نام اس وقت تک عربوں میں نہیں رکھا جاتا تھا جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے، اس لئے قریش کو یہ نام اوپرا لگا) چنانچہ حضرت عبدالمطلب سے کہا گیا "اے ابوالحارث کیا وجہ ہے کہ تم نے اس بچے کا نام اس کے باپ دادا کے نام پر نہیں رکھا بلکہ محمد رکھا" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "حالانکہ یہ نام نہ تمہارے باپ دادا میں سے کسی کا ہے اور نہ تمہاری قوم میں سے کسی کا"۔ تو حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اس سے میری تمنا ہے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اس بچے کی تعریف فرمائیں اور زمین پر لوگ اس کی تعریف کریں (المواہب اللدنیہ ص ۱۸۵ ج ۱)

مندرجہ بالا بات اس مشہور قول کے مطابق ہے کہ آپ علیہ السلام کے دادا نے آپ علیہ السلام کا نام محمد اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے دل میں ڈالے جانے کی بنا پر رکھا تھا، جس میں یہ نیک فال بھی تھی کہ آپ کی عمدہ صفات اور خوبیوں کی وجہ سے جن کی تعریف کی جاتی ہے ساری مخلوق آپ کی بہت زیادہ تعریف کرے (سیرت حلبیہ ص ۲۵۶ ج ۱)

خواب میں اشارہ

حافظ ابو بکر بغدادی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں میرے سات نام ہیں اور ان میں سب سے مشہور نام محمد ہے، اور یہ نام حضرت عبدالمطلب نے رکھا، اور جب ان سے سوال کیا گیا کہ یہ نام کیوں رکھا گیا تو حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ مجھے امید ہے

کہ تمام اہل زمین اس کی تعریف کریں گے، چونکہ حضرت عبدالمطلب نے ایک خواب میں دیکھا تھا جس کی وجہ سے انہیں یہ یقین تھا کہ میرا یہ بچہ اہل ارض کیلئے معزز ترین شخصیت بنے گا، عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ ان کی پیٹھ سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی جس کا ایک کنارہ آسمان میں اور ایک کنارہ زمین میں، ایک کنارہ مشرق میں اور ایک کنارہ مغرب میں تھا، پھر وہ زنجیر ایک درخت کی شکل اختیار کر گئی پھر دیکھتے ہیں کہ تمام اہل مشرق و مغرب اس درخت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جس کی تعبیر معبرین نے یہ بتلائی کہ ان کی اولاد سے ایک ایسی جامع شخصیت پیدا ہونے والی ہے جس کی تمام اہل مشرق و مغرب اتباع کریں گے، اہل ارض و آسمان سب کے سب اس کی تعریفوں کا دم بھریں گے (المواہب اللدنیہ ص ۱۸۸ ج ۱)

نیز حضرت آمنہ کو بھی خواب میں اسم محمد کے نام رکھنے کا اشارہ ملا، خود فرماتی ہیں کہ جب آپ علیہ السلام شکم مادر میں تھے تو آپ علیہ السلام کی والدہ حضرت آمنہ سے غیبی آواز نے کہا تو اپنے شکم میں اس امت کے سردار کو اٹھائے ہوئے ہے جب تو اسے جنے تو اس کا نام محمد رکھنا (سیرت حلبیہ ص ۲۵۷ ج ۱)

اسم محمد کی تشریح

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا یہ نام اللہ تعالیٰ وتقدس کے نام سے مشتق ہے اور اسی بات کی طرف شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

فشق لہ من اسمہ لیجلہ فذو العرش محمود وھذا محمد

نیز یہ بھی آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا گیا ہے کہ آپ کا نام احمد رکھا گیا جبکہ آپ علیہ السلام سے قبل یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا تھا، اور اسم محمد کے معنی میں کثرت اور زیادتی ہے یعنی محمد صرف اسی کو کہا جا سکتا ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے اور یہ تعریف ان خوبیوں اور بلند اوصاف کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس ذات میں پائی جاتی ہیں۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا کہ لفظ محمد مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے معنی میں کثرت اور زیادتی ہے مگر یہ کثرت اور زیادتی (اس لفظ کو اس طرح) استعمال کرنے کے لحاظ سے ہے ورنہ یہ لفظ حقیقت کے لحاظ سے مبالغہ کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ مبالغہ کے معنی دینے والے جو صیغے ہیں ان کے صرف پانچ اوزان ہیں اور لفظ محمد ان وزنوں میں سے نہیں ہے (سیرت حلبیہ ص ۲۵۷ ج ۱)

اسم احمد کی تشریح

احمد کا معنی ہے بہت زیادہ تعریف کرنے والا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والے تھے اور آخرت میں بھی بہت زیادہ حمد وثناء فرمائیں گے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے روز مجھ پر اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف منکشف ہونگی جو مجھ سے قبل کسی پر بھی منکشف نہ ہوئی ہونگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تعریفوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء فرمائیں گے اور آپ علیہ السلام لواء الحمد کے تلے مقام محمود پر موجود ہوں گے، روایات میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام مقام محمود پر سجدہ ریز ہو کر ایک ہزار سال تک اللہ رب العزت کی حمد وثناء فرمائیں گے اسی لئے آپ علیہ السلام گذشتہ انبیاء میں اور سابقہ کتب سماویہ میں احمد کے نام سے مشہور تھے (المواہب اللدنیہ ص۱۸۹ ج۱)

محمد واحمد میں معنوی فرق

اول یہ کہ علامہ صفویؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں احمد کو محمد نام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے (اس کی فضیلت عربی زبان میں اس قاعدے کے تحت ہے) جیسے لفظ احمر (بہت سرخ) اور لفظ اصفر (بہت زرد) محمر اور مصفر کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ پر زور ہے۔دوسرا یہ کہ احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی بہت زیادتی کے ہیں، اسی لئے علامہ صلاح صفویؒ فرماتے ہیں کہ احمد نام اسم محمد کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ اونچا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور آپ علیہ السلام کی ان ہی خوبیوں اور حمد وثناء کی وجہ سے آپ کیلئے مقام محمود میں وہ مقام عطا ہوا ہے جو پہلے کبھی بھی کسی کیلئے نہیں کھولا گیا (سیرت حلبیہ ص۲۶۲ ج۱)

احمد ومحمد میں ایک معنوی فرق یہ بھی ہے کہ محمد وہ ذات ہے جس کی حمد وثناء جملہ اہل الارض والسماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو اور احمد وہ ہے جس نے رب السموات والارض کی حمد وثناء جملہ اہل الارض والسموات سے بڑھ کر کی ہو، یہ اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی ہے اور وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات پر دال بھی ہے اور مدلول بھی اور یہ صرف اسی اسم پاک کی خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء کرام کے اسماء ساکت اور خاموش ہیں (رحمۃ للعالمین ص۱۷۰ ج۳)

(جاری ہے)

یادِ رفتگاں قاری فتح محمد طاہر رحمہ اللہ

فقیہ العصر حضرت مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

غالباً ۱۹۵۰ء کا واقعہ ہے جبکہ یہ ناچیز مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم سرگودھا کے شعبۂ حفظ کا طالب علم تھا کہ ایک نہایت ہی دبلے پتلے نحیف الجسم شخص کا اکثر ہمارے مدرسہ میں آنا رہتا تھا لیکن ایک عجیب بات اس اکثر آنے والی شخصیت میں یہ دیکھی کہ آتے ہی مدرسہ کے کتب خانہ سے کوئی نہ کوئی کتاب اٹھا لیتے اور اس کے مطالعہ میں ان کی ایسی محویت ہوتی کہ یوں لگتا کہ کوئی گم شدہ لفظ تلاش کر رہے ہیں، اس وقت ہم نالائق قسم کے طالب علم آپس میں کھسر پھسر کرتے کہ یار یہ مولوی تو جب آتا ہے بس کتابوں ہی میں گھس جاتا ہے۔

یہ آنے والی شخصیت اکثر نماز فجر طالب علموں کو پڑھاتی کو کہ اس وقت ہم نادان تھے، ان کی آواز میں ایک ایسی مٹھاس اور ایسا سوز تھا کہ کم وبیش پچپن سال گذر چکے ہیں آج بھی وہ لذت آمیز آواز کانوں میں رس گھولتی ہے، وہ اکثر سورۂ سبا کی آیات اعملوا ال داؤد شکرا الخ، سورۂ سبا اور سورۃ الفجر کی تلاوت کرتے۔

میرے گرامی قدر استاذ مکرم حضرت قاری سراج الدین صاحب کا چھوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاری قیام الدین صاحب دامت فیوضہم کے والد گرامی اکثر اپنی گفتگو میں فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار لاہور کی ایک مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کا اتفاق ہوا ایک نوجوان نے مصری لہجہ میں تلاوت کی اور پھر میں نے بارہا اس مسجد میں اسی شوق میں کوئی نہ کوئی جہری نماز ادا کی مگر وہ رس اور لذت مجھے دوبارہ نہیں ملی، بس کچھ ایسا ہی معاملہ میرے ساتھ پیش آیا کہ پانی پتی لہجہ میں تلاوت کرنے والے بہترین مجودین سے سن کر وہ حظ ولطف اور وہ کیف نہیں ملا جو اس عظیم شخصیت کی تلاوت میں تھا۔ پھر آنے والی شخصیت کی سادگی، طالب علموں سے شفقت ومحبت کا معاملہ قابل تقلید اور دیدنی ہوتا تھا۔

میرے جیسے عقل کے اندھے کیا جانیں کہ یہ جس کو تم کتابوں کا کیڑا کہہ رہے ہو یہ کیا چیز ہے اور یہ کیسا انمول موتی ہے اور چمنِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسا سدا بہار پھول ہے۔

ایک اور شخصیت بھی گاہ بگاہ ان کے ہمراہ آگے پیچھے آتی وہ بھی سادگی اور لطف وکرم کا ایک

بہترین نمونہ اور سنت نبوی کی پابند کہ کوئی طالب علم بھی اگر مشایعت کیلئے تھوڑا سا ساتھ گیا تو انہی قدموں پہ اس کا بدلہ مشایعت کے عمل سے ادا کر دیا۔ ہمارے مہتمم صاحب استاذی المکرم حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صدیقی اور یہ مذکورہ دونوں حضرات جب مل بیٹھتے تو پیار و محبت کا ایک عجیب سماں ہوتا تھا۔

راقم الحروف چونکہ اس زمانہ میں شعبۂ حفظ کے طالب علموں میں عمر کے لحاظ سے بڑا تھا اس لئے خدمت کا خوب خوب موقع ملا اور اللہ تعالٰی نے ان بزرگوں کی زیارت سے سرفراز فرمایا اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائی والحمد للّٰہ علی ذلك۔

یہ تینوں شخصیتیں جن کا تذکرہ کر رہا ہوں ان میں ایک شخصیت حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کی ہے جن کے ذکر خیر کیلئے اس وقت قلم اٹھایا ہے اور جنہوں نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا اور ان کی بہت سی باتوں نے مجھے بے شمار مواقع میں فائدہ اور مجھ جیسے نا لائقوں کو فروتنی کا سبق دیا ہے، کہ جن کو ان کے استاذ گرامی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے ان کی ایک تحریر پر فرمایا تھا بھئی اب تو تمہیں مولانا لکھنے کو جی چاہتا ہے، حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کو میں نے اپنی پندرہ سولہ سالہ عمر میں علم میں غرق دیکھا اور پھر تقریباً پچاس سال بعد بھی جبکہ حضرت کے اعضاء عوارضات کے باعث مضمحل ہو رہے تھے اسی علمی استغراق میں دیکھا۔

حضرت نے ایک بار اپنے حفظ کے زمانہ کا واقعہ سنایا کہ ہمارے استاذ گرامی نے فرمایا تھا کہ جو طالب علم سب سے پہلے مدرسہ میں آئے گا تو میں سب سے پہلے اس کا سبق سنوں گا، اگلے دن جب حضرت الاستاذ مدرسہ میں تہجد کیلئے تشریف لائے تو میں مدرسہ کے صدر دروازہ پر سردی کی وجہ سے دبک کر اپنے استاذ کا انتظار کر رہا تھا، استاذ گرامی نے دیکھتے ہی فرمایا ارے عبدالشکور! تم اس قدر تڑکے (سویرے) میں یہاں کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ سبق سنانے کی غرض سے۔ اس واقعہ سے حضرت مفتی صاحب کا بچپن ہی سے علمی ذوق و شوق خوب ظاہر ہوتا ہے۔ ؏ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

ایک دفعہ سالانہ امتحان میں مجھے پارے یاد نہیں تھے ومآ ابری ء کا پہلا ربع خوب یاد تھا میں نے اس کے اول میں کچھ رکھ دیا کہ حضرت نے جونہی قرآن پاک اٹھایا تو وہی پارہ نکلا، آپ نے پڑھنے کا حکم فرمایا، میں نے فرفر ایک ڈیڑھ رکوع پڑھ دیا اور پھر حضرت نے اور پڑھنے کو نہیں فرمایا، اس

وقت تو میں نے اس کو اپنی چالاکی خیال کیا مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب کشف لوگ ہوتے ہیں اور کسی کو ذلیل کر کے خوش بھی نہیں ہوتے، میں سمجھتا ہوں کہ حضرت نے میری بیماری بھانپ کر پاس کر دیا۔

میرے استاذ محترم قاری محمد شاکر انور صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ اپنے تلامذہ اور متوسلین کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت نے پانی نوش فرمایا قاری عبدالمالک صاحب حضرت سے بیعت اور وہاں مدرس تھے اور حضرت کے بائیں جانب حضرت سے متصل بیٹھے تھے، قاری صاحب فرماتے ہیں کہ دل میں تمنا ہوئی کہ کاش مجھے حضرت کا بچا ہوا پانی نصیب ہو جائے لیکن میں تو سب سے آخر میں ہوں اور حضرت تو سنت پر عمل کرتے ہوئے دائیں طرف والے کو دیں گے مجھے کہاں ملے گا، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاف معمول حضرت قاری عبدالمالک صاحب کو گلاس پکڑاتے ہوئے فرمایا لو قاری صاحب! دعا کرنا اللہ مجھے بھی بہتر قرآن پاک پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے تو قاری صاحب کے دل کی تمنا حضرت تھانویؒ پر منکشف ہو گئی۔

غالباً ۱۹۵۵ء میں حضرت الاستاذ مولانا محمد اسماعیل صاحب مظاہری ڈیروی کے ہمراہ ساہیوال پہلی مرتبہ حاضری ہوئی اور پھر ۱۹۶۷ء میں بطور استاذ شعبہ حفظ حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی اور حضرت نے ایسی کمال شفقت سے نوازا جو واقعۃً شفقت پدری تھی اور پھر تادم آخر یہ شفقتیں برابر روز بروز اضافے کے ساتھ جاری رہیں۔

میں نے ہمیشہ حضرت سے ایسے معاملات کئے جو بظاہر آپ کی شایان شان نہ تھے مگر حضرت نے کبھی اپنی شفقت میں کمی نہیں آنے دی، میں سمجھتا ہوں انہی میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک عظیم المرتبت فقیہ کی خدمت میں نورانی قاعدہ اور حفظ کے بچوں کے امتحان کیلئے درخواست کر دی، یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مولانا مفتی محمد طیب سلیم صاحب زیدمجدہ اس ناکارہ کے پاس قرآن مجید حفظ کرتے تھے تو میری درخواست پر حضرتؒ مدرسہ تجوید القرآن انور یہ ملت آباد میں چھوٹے بچوں کے امتحان کیلئے بڑی ہی بشاشت کے ساتھ تشریف لائے اور بچوں کا امتحان لیا اور گرانقدر مشوروں سے بھی نوازا، پھر ۱۹۹۷ء میں ساہی کالونی ۹۴ ٹیل مسجد حمزہ کے سنگ بنیاد کیلئے بھی تشریف لائے، پھر رمضان شریف میں اس ناکارہ کی درخواست پر کہ حضرت آپ کچھ دیر کیلئے اس مسجد میں تشریف لائیں اور دعا فرما دیں باوجود علالت کے تشریف لائے اور عصر و مغرب کے بعد بڑا مدلل اور پر مغز خطاب فرمایا۔

ہماری قراء کی ایک تنظیم اتحادالقراء سرگودھا کے آپ سرپرست رہے اور ہمیشہ شفقت فرماتے ہوئے اتحادالقراء کی مجالس حسن قراءت میں شریک ہوتے رہے۔ آپ کے وصال کے بعد ہماری اس تنظیم اتحادالقراء سرگودھا کی سرپرستی آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی زیدمجدہ فرمارہے ہیں۔

بمصداق عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ کہ اللہ جل شانہ اپنے مقرب بندوں کے ذکر خیر پر اپنے فضل وکرم اور رحمت سے نوازتے ہیں، یہ چند سطور لکھ دی ہیں۔

ایک مشہور صاحب نسبت بزرگ عالم دین کو انتقال کی شب غنودگی میں آپ کی زیارت ہوئی، دیکھا چہرہ مبارک کھلا ہوا ہے، پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب میں آپ نے سورۂ یٰسین کی یہ آیت مبارک تلاوت کی بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین آپ اس کو بار بار پڑھتے رہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ مبارک کے مضمون کے مطابق آپ سے مغفرت اور اکرام کا معاملہ فرما کر جنت الفردوس میں اپنے قرب سے نوازا ہوگا۔ ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔

حضرت نے جامعہ حقانیہ، مسجد حقانیہ، عیدگاہ حقانیہ، جامع مسجد زینب، نیک صالح اولاد اور ہزاروں شاگرد ومتوسلین اور تصانیف کثیرہ صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑی ہیں۔

ان سطور میں جن تین حضرات کا تذکرہ آیا ہے ایک حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مدنی کے تلامذہ میں ہیں، دوسرے قاری جلیل الرحمٰن صدیقی جو حضرت مدنی کے تلامذہ اور مریدین میں ہیں اور تیسرے متبع سنت حافظ حکیم شریف الدین صاحب کرنالی بانی ومہتمم مدرسہ حسینیہ سلانوالی ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم۔

۱۳/رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

الاستفتاء

مسبوق کا قعدہ اخیرہ میں درود شریف اور دعا پڑھنا

مسبوق نے قعدہ اخیرہ میں درود شریف اور دعا بھی پڑھی تو کیا اس پر سجدۂ سہو لازم ہے؟

الجواب: مسبوق کے امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درود شریف و دعا پڑھنے سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا، البتہ بہتر یہ ہے کہ مسبوق التحیات اتنی ٹھہرا کر پڑھے کہ اس کی التحیات ختم ہونے تک امام درود شریف اور دعا سے بھی فارغ ہوجائے۔

دو مختلف جنسوں کا باہم تبادلہ

اگر گڑ کی گندم کے ساتھ بیع اس طرح ہو کہ گڑ ابھی دیا جائے اور گندم بعد میں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: جب دو مختلف جنسوں کا باہم تبادلہ کیا جاوے تو کمی زیادتی تو جائز ہے مگر یہ ضروری ہے کہ یہ معاملہ ایک ہی وقت میں دست بدست ہو، ادھار سے سود کا گناہ ہوگا، اس قاعدہ کی بناء پر سوال میں درج صورت ناجائز معلوم ہوتی ہے، اگر ایسی صورت پیش آوے تو گڑ وغیرہ کی قیمت مقرر کرلی جاوے پھر اس قیمت کے عوض جس نرخ پر چاہیں مقرر کرکے گندم وغیرہ لے لیں۔

وضو میں تین مرتبہ سے زیادہ عضو کا دھونا

وضو میں تین مرتبہ سے زیادہ کسی عضو کا دھونا کیسا ہے؟

الجواب: وضو میں بلاضرورت تین مرتبہ سے زیادہ کسی عضو کو دھونا اسراف میں داخل ہوکر مکروہ ہے لیکن اگر شک کے موقع میں حصول اطمینان کیلئے چار مرتبہ کسی عضو کو دھونے کا اتفاق ہوجاوے تو مکروہ نہیں البتہ جس شخص کو وسوسہ کی عادت ہو اس کو وسوسہ کا خیال نہ کرنا چاہئے، ڈاڑھی اگر گھنی ہو تو خلال ہی کرلینا کافی ہے ورنہ پانی پہنچانا ضروری ہے۔

ایک مسجد کا قرآن دوسری مسجد میں رکھنا

ایک مسجد کا قرآن دوسری مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: مساجد پر وقف شدہ قرآن شریف اسی مسجد میں استعمال کئے جانے چاہئیں دوسری

مسجد میں یا خارج مسجد ان کا استعمال ممنوع ہے۔

جماعت ثانیہ کیلئے مصلی بدلنا اور اقامت نہ کہنا

اگر دوسری جماعت کرائی جاوے تو کیا اسی جگہ درست ہے؟ اور اقامت کہی جاوے یا نہیں؟

الجواب: جماعت ثانیہ اگر ایسی مسجد میں ہو جس میں امام ونمازی مقرر ہوں تو دوسری جماعت کیلئے مصلی بدلنا اور اقامت نہ کہنا ضروری ہے، ورنہ دوسری جماعت اقامت جدید کے ساتھ اسی مصلی پر کی جاوے۔

نکاح بٹہ کا شرعی حکم

آجکل مروج نکاح بٹہ کا کیا حکم ہے جبکہ حدیث سے بظاہر اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے؟

الجواب: مشروط طور پر بعض قبیلوں میں جو نکاح بٹہ کا رواج ہے اس کو بعض خارجی مفاسد کی وجہ سے روکا جاتا ہے ورنہ جب شہود کے سامنے مہر مقرر کر کے جانبین کا نکاح ہوا ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، حدیث میں جس بٹہ کے نکاح کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ نکاح ہے جس میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو بلکہ ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر اور عوض ہو، اس طرح بھی حنفیہ کے یہاں نکاح ہوجاوے گا اور مہر مثل لازم ہوگا۔ احقر سید عبدالشکور ترمذی ۲۹ / ربیع الثانی ۸۰ھ

کیا چچا اپنی نابالغہ بھتیجی کا نکاح اپنے نابالغ لڑکے سے کر سکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک نابالغ لڑکی جس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور اس کا چچا حقیقی اس نے مذکورہ لڑکی کا نکاح اپنے نابالغ لڑکے سے کر دیا، لڑکا مذکور بھی نابالغ تھا اور قبولیت بھی اس لڑکے نے کی تھی، آیا یہ نکاح درست ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نابالغ لڑکی کا ولی نکاح اس کا چچا ہی ہے (اگر لڑکی کا حقیقی بھائی بھی بالغ موجود ہو تو پھر وہ ولی ہوگا چچا نہ ہوگا) اور نابالغ لڑکے کا ولی اس کا والد تھا لہذا جب نابالغ لڑکی اور لڑکے کا نکاح ان کے چچا اور والد نے کر دیا تو ہوگیا اگر چہ چچا نے اپنے لڑکے کے ساتھ نکاح کیا ہو اور نابالغ لڑکے نے خود باجازت ولی نکاح کو قبول کیا ہو بشرطیکہ وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچ گیا ہو کہ وہ ایسے امور کو کچھ سمجھتا ہو (یعنی صبی ممیز ہو) اور ایسی عمر سات سال کی سمجھی جاتی ہے، اگر سات سال کی عمر میں لڑکے نے نکاح کو قبول کیا ہو اور ولی نے اس قبول کی اجازت دی ہو تو یہ قبولیت جائز ہے، پس اس صورت میں یہ نکاح جائز اور درست ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر سید عبدالشکور ترمذی۔ ۲۰ / ذوالحجہ ۸۰ھ

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: مقالات ترمذی مؤلف: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
مرتب: حافظ سید محمد اکبر شاہ صاحب بخاری۔ ناشر: دارالاشاعت کراچی ضخامت صفحات: ۴۰۸

زیر نظر کتاب حضرت فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کے مقالات وبیانات کا مجموعہ ہے، حضرت فقیہ العصر ماضی قریب کی ایک زندہ وتابندہ شخصیت تھیں جنہیں بارگاہ ایزدی سے خدمت دین متین کی توفیق ارزانی ہوئی، علمی دنیا کی فضا ابھی تک آپ کے انفاس طیبہ سے مہک رہی ہے اور آپ کی ہمہ جہت دینی خدمات کی بازگشت کسی نہ کسی رنگ میں قلب ودماغ کے دریچوں پر دستک دیتی رہتی ہے، اس لئے آپ کے مقالات طیبات اور زریں بیانات کو قلمبند کرنا اور کتابی شکل میں محفوظ کرنا اس دور میں اتنا عظیم کارنامہ ہے جو اپنی امتیازی خصوصیات کی بنا پر بے مثال ہے، کوئی بھی ذی شعور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا۔

دنیا کی ہر مہذب قوم نے اپنے اکابر واسلاف کی تاریخ اور کارناموں کو ایک قیمتی دستاویز اور عظیم شاہکار کی حیثیت دی ہے موجودہ دور میں اخلاف کو اسلاف سے مربوط اور وابستہ رہنے کی جس قدر ضرورت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس سلسلہ میں ان کی تحریرات ومقالات بھی نہایت مؤثر اور بے حد مفید ہیں کہ جہاں ان اکابر کے علوم سے مستفید ہوا جاتا ہے وہیں ان سے محبت وتعلق بڑھتا ہے جو کلید سعادت اور مفتاح نجات کا سبب ہے۔

دور حاضر میں اس عظیم کام کو نہایت احسن انداز میں انجام دینے کا بیڑا محترم جناب حافظ سید محمد اکبر شاہ صاحب بخاری مدظلہم نے اٹھا رکھا ہے، موصوف تصنیفی میدان میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ان کی متعدد بیش بہا قیمتی تالیفات ان کا بہترین تعارف پیش کرتی ہیں اور اکابرین دیوبند کی سوانح وخدمات جلیلہ جمع کرنا موصوف کا محبوب مشغلہ ہے۔

زیر نظر کتاب ''مقالات ترمذی'' انہی کی کاوش کا ثمرہ ہے جو حضرت فقیہ العصر کے ملی سیاسی مضامین ومقالات اور اصلاحی بیانات پر مشتمل ہے جن میں سے بعض اہم مضامین یہ ہیں:

(۱)شفاعت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم (۲)ارشاد العباد فی عید المیلاد (۳)عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴)دینی مدارس دین کے قلعے ہیں (۵)اسلام اور سائنسی ایجادات (۶)تعمیر پاکستان میں مسٹر اور ملا کا کردار (۷)انتخاب میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت۔

ماشاءاللہ کتاب کا کاغذ اور طباعت وکتابت نہایت اعلیٰ ہے خصوصاً سرورق دیدہ زیب ہے۔

نام کتاب: معارف اشرفیہ افادات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
مرتب: صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ مسجد تھانہ والی ہارون آباد ضلع بہاولنگر۔ قیمت: ۱۳۵ روپے۔

قحط الرجال کے اس دور میں اکابرین دیوبند کے ملفوظات ومواعظ کی اشاعت دراصل ان کی صحبت کے قائم مقام ہے جن کے پڑھتے رہنے سے دل میں نورانیت اور عمل صالح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے وگرنہ حوادثات زمانہ نے شمع ایمانی کو زائل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اس لئے یہ ملفوظات اکابرین کی صحبت ومعیت کا بہترین بدل بھی ہیں اور حفاظت دین کا ذریعہ بھی۔

زیرنظر کتاب حضرت تھانوی کے ایمان افروز ملفوظات وکلمات حکمت سے مرتب کی گئی ہے جسے محترم جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب نے بڑی جانفشانی سے ترتیب دیا ہے۔

کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں حضرت تھانوی کی سوانح وملفوظات ہیں، حصہ دوم میں رسالہ بعنوان ''دوقسمیں'' حضرت تھانوی کے افادات کو ایک اچھوتے انداز میں تحریر کیا گیا ہے، حصہ سوم رسالہ ''واردات حکیم الامت'' (الہامی علوم) پر مشتمل ہے۔

علاوہ ازیں کتاب میں ایسے علمی جواہر کو یکجا جمع کیا گیا ہے جو ہر خاص وعام کیلئے ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں بالخصوص ان حضرات کیلئے جو راہِ سلوک کی منازل طے کرنے کیلئے کسی رہنما ورہبر کے محتاج ہیں، الغرض کتاب ہر لحاظ سے نفع بخش ہے اور سرورق نہایت عمدہ ہے۔

سید عبدالناصر ترمذی

اخبار الجامعہ

۲۳/صفر المظفر : صدر جامعہ نے بخشن ضلع بہاولنگر میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کے متوسل خاص حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب کی مسجد میں خطاب فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی۔

۲۴/صفر المظفر : جامعہ قاسم العلوم فقیروالی کے سالانہ جلسہ میں شرکت اور خطاب فرمایا۔

۲۹/صفر المظفر : مولانا غفران اللہ کی دعوت پر گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور ان کے مدرسہ میں بیان فرمایا۔

۳/ربیع الاول: جامعہ حقانیہ للبنات درجہ حفظ کی طالبات کی تکمیل حفظ قرآن کے پرمسرت اور بابرکت موقع پر مختصر بیان اور دعا فرمائی۔

۵/ربیع الاول: مدرسہ حسینیہ سرگودھا میں شیخ المشائخ حضرت اقدس خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات فرمائی۔

۱۳/ربیع الاول: جامعہ کے یوم تاسیس کے حوالہ سے جامعہ میں ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں درجہ تخصص کے طلبہ نے جامعہ حقانیہ کی اکہتر سالہ خدمات بانیان جامعہ کی دینی وملی خدمات کے علاوہ دیگر مختلف موضوعات پر عمدہ اور بہترین مقالے پیش کئے۔

اس موقع پر صدر جامعہ نے فرمایا کہ ان تمام مقالات کو اچھی طرح جانچ پڑتال کے بعد اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعام دیا جائے گا۔ بعد ازاں صدر جامعہ نے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے والے تین طلبہ کو آخری سبق پڑھایا اور دعا فرمائی۔

نماز ظہر کے بعد سرگودھا سے تشریف لائے ہوئے معزز مہمان حضرت مولانا اشرف علی صاحب اور مفتی محمد شفقت صاحب نے تخصص کے طلبہ سے خطاب فرمایا۔